

قَالَ خُصُّوهُمَا بِجَمَلِ الْقَوْلِ  
 اور سب سے زیادہ کی تعریف کو مختصر  
 سے تمام کو اور آفرینوں کی طرف  
**حَبْلُ اللَّهِ**

۱۵۲

وَمَا كَانَ اللَّهُ يُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ  
 حَتَّى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد پھر گمراہ  
 قرار دے جب تک کہ ان پر وہ ساری چیزیں واضح نہ کر دے جن سے انہیں  
 بچنا چاہیئے۔ بلاشبہ اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ (التوبة: ۱۵)

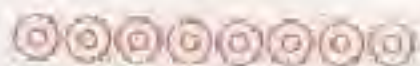
(التوبة: ۱۵)



# الہامی ادب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَتّٰی اِذَا جَاءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعْنِیْ  
لَعَلّٰی اَعْمَلُ صَالِحًا فَمَا تَرَكْتُ کَلَامًا اِنَّهَا کَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا  
وَمِنۡ قَوْلِیْ بِهِمْ یَرْجِعُ اِلَیَّ یَوْمَ یُعْشَوْنَ فَاِذَا انْفَضَّ فِی  
الصُّوْرِ فَلَا اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ فِیْ مَیْمَنٍ وَلَا یَسْأَلُوْنَ  
فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِنُهُ فَاُولَٰئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ  
وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِنُهُ فَاُولَٰئِکَ الَّذِیْنَ خَسِرُوا  
اَنْفُسَهُمْ فِیْ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ



یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آجائی تو وہ کہے گا کہ میرے رب مجھے  
واپس بلا لے۔ امید ہے کہ آپ میں نیک عمل کروں گا۔ مگر اگر نہیں یہ تو بس ایک بات ہے جو  
وہ کہہ رہا ہے۔ اب ان سب مرتے والوں کے درمیان ایک بڑا شہ ہے جو یوم قیامت  
تک کے لئے ہے۔ پھر جو وہی چھوٹا ٹکڑا دکھائے گی۔ ان کے درمیان آئیں میں کوئی  
رشتہ نہیں ہے۔ گا اور وہ نہ ایک دوسرے سے کوئی مسئلہ کریں گے۔ اس وقت  
جہاں کے پڑے بھاری ہوں گے وہ فلاح پانے والے ہیں اور جہاں کے پڑے ہلکے ہوں گے  
لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو گھاسے میں ڈال لیا۔







## حدیثِ دل

امتِ مسلمہ کی موجودہ ناگفتہ بہ حالت فوری طور پر دہود میں نہیں آتی بلکہ یہ ایمان کی کمزوری سے شریعت ہو کر اس کے خاتمے کی طرف صدیوں پر محیط مسلسل زوال و انحطاط کے سفر کا شکار ہے۔ وہ امت جس کو دنیا کی امامت کے لئے برپا کیا گیا تھا اور بطائے الفاظ قرآنی جسے **كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْعَمْرِوِّ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُقِيمُونَ الصَّلَاةَ** کے مصداق ایمانی خالص کو اختیار کرنے کے بعد دنیا والوں کو اس خیر کی طرف بلانا اور بڑھانی سے روکنا تھا اور اس راہ میں قرآن و حدیث کی صورت میں اللہ کی رسیٰ کو مضبوطی سے تھام کر ہر طرح کی تفرقہ بازی سے اپنے دامن کو بچاتے ہوئے آخر دم تک اپنے مالکِ عز و جلال اور احاطتِ شعاری کے جہد کو نبھانا تھا آج ایمان سے بقی دامن، شرک سے برسی طرح آلودہ ایمانی اور محسنِ عمل کی دعوتی ذمہ داری سے غافل اور باہمی انتشار و افتراق میں مبتلا ہونے کی ایک المناک صورت پیش کر رہی ہے:

گویا جس ایمان کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ایک کمزور اور باہم متناہم قبائلی پر مشتمل قوم کو ایک متحد اور مضبوط قوت بنا دیا تھا، جس نے اللہ کی تائید و نصرت سے مختصر عرصہ میں دقت کی دو سپر پاور کو زیر کر کے کامیابی اور سربلندی کی بلندیوں کو چھو لیا تھا اور ہمیں کی بحیثیت ہر طرح کی عصیتوں سے پاک صرف اسلامی اخوت و بھائی چارے کا جمال نمودار پیش کرتی تھی، آج وہ اسی ایمان کے اندر غدر کی وجہ سے اللہ کی تاراجی کا شکار ہو کر ذلت و رسوائی اور پستی و مغلوبیت کی اس حد پہنچ چکی ہے کہ ان کی بحیثیت پارہ پارہ ہے، ان کے شہروں سے دھواں اٹھ رہا ہے، ان کی بستیوں کو تاراج کیا جاتا ہے اور ان کی عصمتوں کے دامن تک تاراج ہیں۔ پچاس پچھ عالمی سطح پر اسلام کے نام لیوا ہوں یا ملک پاکستان کے کھلے پڑھنے والے ہر جگہ یہ نام نہاد امتِ مسلمہ اسی کیفیت سے دوچار ہے۔ ایک طرف غیر اقام ہر جگہ اس تر حال کی طرف ایک دوسری کو دعوتِ مبارک دے رہی ہیں تو دوسری طرف یہ خود باہم دگر دست و گریباں ہیں۔ اس سلسلے میں زیادہ دُور جانے کی ضرورت نہیں صرف پاکستان کے اندر رہنے والے ملتِ اسلامیہ کے فرزندوں کے حالات ہی ہماری آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہیں کہ کس طرح ایک کلمہ گو کے ہاتھوں دوسرے کلمہ گو کی جان و مال اور عزت غیر محفوظ ہیں اور ایک دینِ اسلام کے ساتھ وابستگی کے دعوے کے باوجود یہاں کتنے مذاہب، مذاہک



اور فرماتے ہیں۔ اسی طرح سیاسی، لسانی اور علاقائی تفریقیں ہیں اور ابھی بنیادوں پر آپس میں لڑائی تھکڑے اور سر پھٹک ہو رہی ہے۔

ظاہر ہے یہ سب کچھ اللہ کی تلافی اور اس کے عذاب کی ایک صورت ہے جو آج ہمارے اوپر مسلط ہے اور اس کی بنیادی وجہ ہمیں ایمان و وحدت کی خرابی ہے جو اُمّ الحیثیت ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی کیفیت سے فریاد کر کے انسان کو منجھلے کا موقع فراہم کرتا رہتا ہے جیسے فرمایا گیا۔ **لَخَطَرُ الْفَسَادِ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُزِيلَ فِيْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ عَمِلْتُمْ لَعَنَهُمُ** (الرّوم: ۴۱) کہ خشکی اور تری میں لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی کے سبب فساد پھیل گیا ہے تاکہ اللہ ان کو ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے اور وہ رجوع کریں۔ پھر فرمایا **وَلَنُزِيلُ فِيْكُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَوْفَىٰ ذُوْنَ الْعَذَابِ اِلَّا كَبُرَ لَكُمْ يُرْجِعُوْنَ** (السجده: ۲۱) اور ہم ان کو (قیامت کے) بڑے عذاب سے قیل (دنیا کے) چھوٹے عذاب کا مزہ چکھائیں گے تاکہ وہ تائب ہو کر پلٹ جائیں۔

آج عالم اسلام کا معاملہ ہو یا پاکستان کا۔ ہر طرف علماء و دانش ور اور دیگر رہنما اتفاقاً اتحاد اور امن پر زور دے سکتے ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اتفاق و اتحاد کس بات پر؟ پُر امن بقائے باہمی کے درآمد شدہ اصول کے تحت موجودہ مسائل، فزقوں اور غروہ بندیوں کو عملی حال میں قائم رکھتے ہوئے اس مجموعے افساد پر یا اللہ کے دین کے وسیع تر مفاد میں ہر طرف سے کٹ کر صرف اللہ واحد کی بندگی اور اس کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی اختیار کرنے پر؟ کیونکہ مقدم الذکر صورت حال تو نتیجہ ہے مؤخر الذکر انفاق کو ترک کرنے کا۔ اللہ کی کتاب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اس پر گواہ ہیں کہ مذکورہ بالا سنگین صورت حالات میں کبھی نیت تبدیلی کا سرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تو یہ مکر کے اللہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا جامہ پہن کر دعوت حق کو اٹھایا جائے توحید کا پرچار ہو اور شرک و طاغوت پرستی کا رُکھ کیا جائے۔ آخرت کی جوابدہی کے احساس کو اجاگر کیا جائے۔ اللہ کے نزدیک دنیا و آخرت میں امن و سلامتی کے حقدار اور برسر ہدایت طرف وہی غرض نصیب ہیں جو ایمان لانے کے بعد اپنے ایمان کو شرک کے ہر شاہرے سے بچا کر اُس کے تقاضے کو پورا کر دکھائیں۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَمْ يَلْبِسُوْا اٰيْمًا فَخُفًّا يُّطْلَعُوْنَ اُولٰٓئِكَ لَخَسِرَ الْاٰمَنُوْنَ وَهُمْ يَحْتَدُوْنَ



# صَالِحٌ عَلَيْهِ السَّلَام

تحریر: ابو الفریحہ دوسے کاہن

قوم عاد کی ہلاکت کے بعد اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کو سر فرازی اور دنیا کی حکمرانی عطا فرمائی اور ان کو ہر طرح کی دنیاوی نعمتوں سے نوازا۔ سورۃ الاعراف میں اس قوم کو صالح علیہ السلام کے درجے کوئی گناہ وافی کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے۔  
وَاذْكُرْ ذَا الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفًا مِنْ بَعْدِهِ عَادٌ وَثَمُودٌ اُولَٰئِكَ نَتَّخِذُ مِنْهُمْ سُلُوكًا  
مَقْسُورًا اَتَشْكُرُونِ الْيُسُوفَ ۝۱۵

”اور یاد کرو جب اللہ نے تم کو قوم عاد کے بعد اس کو جانشین بنایا اور تم کو زمین میں (اسطریح) آباد کیا (تمہیں عطا فرمایا) کہ تم اس (زمین) کے میدانوں میں غلات سمیر کرے اور پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بنائے ہو“ (آیت ۱۵)

ثمود عرب کا سب سے قدیم قوموں میں دوسری قوم ہے جو قوم عاد کے بعد زیادہ مشہور معروف ہے۔ اس قوم کا تعلق شمال مغربی عرب کے احسا علاقے سے تھا جو البحر کے نام سے موسوم ہے۔ آج کل یمن اور تیوک کے درمیان تجازہ ریلوے پر ایک اسٹیشن آتا ہے جسے احسا صالح کہتے ہیں۔ یہی علاقہ ثمود کا مرکز تھا۔ اور پرانے زمانے میں حجر کھلاتا تھا۔ قرآن میں اس علاقے کے حوالے سے بھی قوم ثمود کا ذکر آیا ہے۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ ابْنُ الصَّلَاطِ الْجَحِيظُ النَّبِيَّ الْمُرْسَلِ ۝۱۸ (ہارون) حجر کے بہنے والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔ (البحر ۱۸)  
اور اسی نسبت سے قرآن کی تعلقہ سورۃ البحر کے نام سے موسوم ہے۔ آج بھی اس جگہ پر وسیع وسیع پر پھیلی ہوئی اس زمانے کی بہت سی عمارتیں موجود ہیں جن کو اہل ثمود نے پہاڑوں کو تراش تراش کر بنایا تھا۔

مذہب تیوک کے موقع پر جب نبی مصلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ اس علاقے سے گزرمے تو آپ صفا کو یہ آثارِ عبرت دکھائے اور بتایا کہ یہ علاقہ اس ظالم قوم کا مسکن تھا جس پر اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے عذاب نازل کیا گیا۔ آپ نے اپنے اصحاب کو یہاں کے کنوؤں سے پانی پینے یا بھر کر رکھنے سے منع فرمایا۔ چنانچہ صحابہ کے تینا نے یہ کہ انہوں نے یہاں سے مشکیزوں میں پانی بھر لیا ہے اور اس سے آٹا بھی گوندھ لیا ہے۔ آپ نے حکم دیا کہ وہ پانی بہا دیا جائے اور گوندھا ہوا آٹا انہوں کو کھلا دیا جائے اور ایک کنویں کی نشاہ بھی ان کے فرمایا کہ اس کنویں سے پانی بھر جہاں سے صالح علیہ السلام کی اڑتی پانی پیتی تھی۔ آپ نے صحابہ سے یہ بھی فرمایا کہ یہ ٹھہرنے کی جگہ



نہیں بلکہ عبرت اور رونے کا مقام ہے۔ اس لئے اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے یہاں سے جلدی نکل کر جاؤ۔ پھر آپ نے اپنے سر کو چھپا لیا اور تیزی کے ساتھ اس جگہ سے نکل گئے (لے بخاری و مسلم)

قرآن کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ جس طرح قوم عاد اپنے اپنے ستونوں والی عالیشان عمارتیں بناتے تھے اسی طرح قوم ثمود کے تمدن کی نمایاں پہچان اور نوجو شہریت یہ تھی کہ وہ پتھر کی چٹانوں کو تراش کر تراش کر ان کے اندر عمارتیں بناتے تھے۔ چنانچہ سورہ حجر میں عاد کو ذات العماد (ستونوں والے) کہا گیا۔ ثمود کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے۔

الَّذِينَ جَاءُوا الصُّخْرَ بِأَفْئَادِهِمْ ۚ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَوَافِقِهَا

اس کے علاوہ سورۃ الاعراف کے مطابق وہ زمین کے ہوا علاقوں میں بھی بڑے بڑے عمارتیں تعمیر کرتے تھے (آیت نمبر ۷۷) اس قوم کے حالات و واقعات کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ سورۃ الاعراف (آیات ۷۳ تا ۷۹) ھود (آیات ۶۱ تا ۶۸) الحج (آیات ۸۰ تا ۸۳) الشعراء (آیات ۱۵۹ تا ۱۶۱) النمل (آیات ۲۵ تا ۲۷) القصص (آیات ۲۳ تا ۳۳) اور سورۃ الشمس (آیات ۱۱ تا ۱۵) میں بیان کیا گیا ہے اس کے علاوہ سورہ نوحی اسرائیل، تہم السجدہ، النذریات، الحاقة اور بعض دوسرے مقامات پر بھی اہل ثمود کا ذکر آیا ہے۔

قرآن میں بیان کردہ عاد و ثمود کے اوصاف اور حالات میں بڑی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے اور شاید اس لئے قوم ثمود کو عادتاً بھی کہا جاتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قوم عاد کی تباہی کے وقت جن اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ نے ہود علیہ السلام کے ساتھ عذاب سے بچا لیا تھا۔ انہوں نے عرب کے شمال مغرب کی طرف ہجرت کی اور قحیر کے علاقے میں آکر سکونت اختیار کر لی۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ان کی نسل کو بڑھایا اور غیر برکت سے نوازا اور اس طرح ان کی نسل کو طوح و اقتدا حاصل ہوا۔ یہاں تک کہ ایک عرصہ گزرنے کے بعد جب پہلی قوموں کی طرح انہوں نے بھی اللہ کی نعمتوں اور اس کے احسانات کو فراموش کر دیا اور اس کی بندگی اور شکر گزاری کے بجائے نافرمانی اور سرکشی کا رویہ اختیار کیا۔ اللہ پر ان کے ایمان اور اعتقاد میں بگاڑ پیدا ہو گیا اور وہ اس وحدہ لا شریک کے ذات و صفات اور حقوق و اشیاء میں اس کی مخلوق کو شریک ٹھہرنے لگے۔ اللہ کی ذات اس کی عنایات اور آخرت کی جزا و سزا سے بے پروا ہو کر دنیاوی وسائل اپنی تعمیر و ترقی، شاندار عمارت اور مضبوط پناہ گاہوں پر مطمئن ہو کر ان پر فخر کرنے لگے اور اس طرح اللہ کی زمین پر عدل و اعتدال کی حد کو پھلانگ کر شر اور فساد پھیلاتے گئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت کے مطابق ان کی ہدایت کے لئے انہی میں سے اپنے ایک بندہ کو رسول بنا کر اٹھایا جنہوں نے اس قوم کو بھولا ہوا ستی یاد دلایا اور ان کے سامنے (انبیاء علیہم السلام کی مشرکہ سنت کے مطابق) الہ و اہل کی بندگی کا بیاد کی دعوت پیش کی۔

یہ رسول صالح علیہ السلام تھے۔ اللہ فرماتا ہے: وَإِلَى ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا مَرَقَالَ يَقُومُوا عِبَادَ اللَّهِ مَا لَكُم مِّنَ اللَّهِ عِشْرَةً ۚ (الاعراف مہود)

”اور قوم ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالحؑ کو بھیجا تو اس نے اپنی قوم کو پکارا کہ اے میری قوم! ایک اللہ کی بندگی اختیار کرو۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا تمہارا معبود نہیں ہو سکتا۔ صالح علیہ السلام نے قوم کو سمجھایا کہ دیکھو جب اللہ ہی نے تم کو وجود بخشا اور زمین میں تم کو آباد کیا ہے۔ یہاں تمہاری قومیت اور پرورش کا انتظام فرمایا ہے تو پھر اس کے علاوہ کسی اور کو تمہارا معبود ہونے کا حق کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ اس لئے اب شک جو تم اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی بندگی اور پرستش کرتے رہے ہو اس سے احتساب کرو اور اس



جہم کا اپنے رب سے معافی مانگتے ہوئے اسی کی طرف پلٹو۔ یقیناً تمہارا رب تم سے بہت قریب ہے اور بلا واسطہ تمہاری دعاؤں کو سننے اور ان کا جواب دیتا ہے۔ تم اس کے لئے واسطے اور وسیلے تلاش کرنے کے بجائے براہ راست اس کو پکارو اور اسی سے رجوع کرو۔

اسی طرح صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کے بعد تمہیں اس کا جانشین بنایا ہے۔ تم سے پہلے اللہ نے اس قوم کو جسمانی طاقت اور ہر طرح کے مادی وسائل سے نوازا کہ سرفراز کیا تھا۔ انہوں نے عین شاندار محلات اور لوہے کی اونچی عمارت بنا کر بڑی ترقی کی تھی لیکن جب انہوں نے اللہ کی بندگی کو ترک کر کے تافرومانی اور سرکشی کا روتہ اختیار کیا۔ اللہ کے مقابلے میں اپنی طاقت اور مادی وسائل پر گھمندا گیا اور سمجھانے کے باوجود براہ راست پرہ آئے تو پھر اللہ کے غضب کا شکار ہوئے اور ان کی تعمیر و ترقی اور دیوی دسائل ان کو اللہ کے مذاب سے نہ بچا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی قوم کے ایماندار اور صالح بندوں (جن کو طور علیہ السلام کے ساتھ مذاب سے بچا لیا گیا تھا) کی نسل کو بڑھایا اور تم کو ان کی نسل سے ایک قوم کی حیثیت میں اٹھایا۔ تمہیں اپنی نعمتوں اور برکتوں سے نوازا اور زمین پر اس طرح تکمیل عطا کیا ہے کہ آج تم اس کے ہموار علاقوں میں عالیشان محلات تعمیر کرتے ہو اور اس کے پہاڑوں کو تراش کر تراش کر اپنے لئے گھر بناتے ہو۔ اس لئے اللہ کے ان احسانات اور اس کی قدرت کے کوششوں کو یاد کرو اور اس کی تافرومانی کو کہ زمین پر فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ اس نے جو معاملہ قوم عاد کے ساتھ کیا وہ تمہارے ساتھ بھی کر سکتا ہے۔ اس کے مذاب سے ڈرو اور میری پیروی کرو۔ مجھے اللہ نے تمہاری ہدایت کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ یہ نبی پوری امانت داری کے ساتھ بے گم ہوگا۔ اللہ کی بات تم تک پہنچا رہا ہوں اور اس طرح فرشتہ رسالت کی بجا آؤں گی میں لگتا ہوں کہ تمہارا بھوکہ اور فرخوارہ ہوں اور اس بھوکہ کی اور خیر خواہی یعنی اللہ کی بندگی کی طرف دعوت دینے کے سلسلے میں تم سے کسی اجر یا مہدائے ناطلیہ کچھ بھی نہیں ہوں۔ اس اجر کی امید تو میں اس حد تک کی جاؤ گا کہ رکھتا ہوں جس نے مجھے منصب رسالت پر فائز فرمایا ہے اور جسے عالم کا پروردگار ہے۔

صالح علیہ السلام نے قوم کو اللہ کی نعمتیں یاد دلانیں اور چھوڑنے کے لئے ان سے پوچھا کہ کیا تم ان سب چیزوں کے درمیان جو یہاں تم کو پیش کر رہے ہیں ان میں سے چھوڑ دینے چاہو گے؟ اور آج تم جس عیش و آرام میں مگن ہو۔ جن باغات کے درختوں پر خوشیوں اور پانی کے چشموں سے لطف اندوز ہو رہے ہو جن کھیتوں اور فصلوں کی بھاری لوٹا ہے۔ اور جن تعمیرات اور ترقیوں کے حامل میں تم ہو۔ کیا ہمیشہ یہی اسل و ہنار میں لگے فرمایا نہیں بلکہ جس مالک نے یہ سب کچھ تم کو وافر مقدار میں عطا فرمایا ہے وہ ایک دن ضرور تم سے اس کا حساب لے گا اور سخت محاسبہ کرے گا۔ اس لئے اس کی پکڑ سے بچنے کا انتظام کرو اور میری اتباع کرو اور میرے مقابلے میں ان بے لگام اور شر پسند لوگوں کی پیروی مت کرو۔ جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور کسی طرح بھی اصلاح احوال نہیں کرتے۔

صالح علیہ السلام نے جب اس طرح سے اپنی قوم کو اللہ و احمد کی بندگی کی دعوت دینا شروع کیا تو کچھ لوگ اس دعوت کی طرف متوجہ ہوئے اور صالح علیہ السلام پر ایمان لائے۔ یہ معاشرے کے مقابلے میں کمزور طبقے کے افراد تھے جب کہ دوسرے بہت سے شریک و مضہ قسم کے لوگ جن میں قوم کے سربراہ اور صاحب حیثیت لوگ بھی شامل تھے دعوت کی مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس طرح قوم دو گروہوں میں



تقسیم ہوئی۔ دونوں میں بحث و تکرار شروع ہو گئی۔ جیسا کہ عام طور پر انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے ساتھ ہوتا ہے چنانچہ سورۃ الاعراف میں قوم ثمود کے ان دو گروہوں کے درمیان ہونے والی اس کشمکش کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ قوم کے بڑے اور سرداروں نے جن کو اپنی بڑائی کا گھنڈ تھا، ایمان لانے والے گزور طبقے کے لوگوں سے پوچھا کہ کیا تم لوگ واقعی اس بات کو صحیح سمجھتے ہو کہ صالح اپنے رب کی طرف سے بھیجا گیا ہے اور کہا کہ اگر تم اس شخص کو اللہ کا رسول سمجھ بیٹھے ہو تو بڑے کم عقل اور بدھو ہو۔ اہل ایمان نے جواب دیا کہ بلاشبہ ہم اس پیغام پر ایمان رکھتے ہیں جو وہ دے کر بھیجے گئے ہیں۔ گویا انہوں نے صالح علیہ السلام کی رسالت کو تسلیم کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کی اصل دعوت پر اپنے تختہ ایمان کا اعلان بھی کیا۔ ایمان لانے والوں کے اس جرات مندانہ جواب کے بعد غزور سرداروں نے اپنے غرور تکبر کا مظاہرہ کیا۔ اور کہا کہ تم حسیں چیز (یعنی صالح علیہ السلام اور ان کی دعوت) پر ایمان لانے ہو ایم تو ان کو نہیں مانتے۔ حقیقت یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت قبول کرنے میں ہمیشہ غریب اور کمزور لوگ ہی آگے بڑھے ہیں اس لئے کہ وہ تکبر کے حجاب سے پاک ہوتے ہیں اور تکبر و غرور وہ چیز ہے جو قبول حق میں سب سے بڑا مکر مانع ہے۔

صالح علیہ السلام نبوت کے منصب پر فائز ہونے سے پہلے بھی قوم میں اپنی بہترین صلاحیتوں اور بلند سیرت و کردار کے اعتبار سے بہت معروف تھے۔ چنانچہ ان کے اخلاق و اوصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ جب وہ نبوت کے دعوے کے ساتھ لوگوں کے سامنے دعوت پیش کرتے تو وہ تنہائی کے ساتھ اس پر غور کرتے لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ انبیاء کی مخاطب قوموں کا معاملہ عام طور سے اس کے برعکس رہتا ہے۔ جس شخص کو وہ عام زندگی میں امین اور سادہ تسلیم کرتے رہے ہیں۔ جو نبی اس نے اللہ کے نبی کی حیثیت سے بات پیش کی اس کو کاذب کہنے لگے اور اس کی بکان کے ورپے ہو گئے۔ چنانچہ صالح علیہ السلام کی قوم کو پہلے ان سے بڑا حسن ظن تھا لیکن جب وہ نبی کی حیثیت سے سامنے آئے۔ تو حید کی دعوت دی اور مشرک سے روکا تو قوم کا سارا حسن ظن غائب ہو گیا۔ اور انہوں نے کہا اے صالح! اس سے پہلے تم ہمارے درمیان ایک ایسی شخصیت تھے جس سے ہماری بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ ہمیں توقع تھی کہ تم باپ و ادا کا نام روشن کرو گے۔ اور آجانی دین کی عظمت اور شہرت میں اضافہ کرو گے لیکن تم اچھے نیکو کہیں ہمارے ان مسکینوں کی بندگی سے روکنے کھڑے ہو گئے جن کو ہمارے آباؤ اجداد پوجتے آئے ہیں۔ کچھ بات تو یہ ہے کہ تمہاری اس دعوت کے سبب جو تم ہمیں دے رہے ہو۔ ہم سخت شک اور الجھن میں پڑ گئے ہیں۔ تمہاری ان باتوں نے تو ہماری امیدوں پر پانی پھیر دیا ہے۔ ہم کیا توقعات لئے بیٹھے تھے اور تم نے کیا منتہ کھڑا کر دیا ہے۔ صالح علیہ السلام نے کہا کہ میری قوم کے لوگو! ذرا غور تو کرو کہ جو دعوت میں سامنے رہا ہوں وہ اللہ کی توفیق سے میرے میر کی آواز بھی ادا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے مزید اپنی رحمت سے نوازا ہے اور مجھے کی ذمہ داری کے ساتھ بغیر عیدہ جی مجھ اس کی تعلیم دی ہے اگر میں اس راستے سے ہٹ کر کوئی اور راستہ اختیار کروں تو مجھے اللہ کی پکڑ سے کون بچائے گا؟ اگر میں یہ راہ چھوڑ کر تمہاری توقعات پوری نہ کروں تو تم سوائے اس کے کہ میری بد فحشی اور ناسراوی میں اضافہ ہی کرو۔ اللہ کے مقابلے میں میرے کسی کام نہ آ سکو گے۔

قوم نے صالح علیہ السلام کی خیر خواہانہ دعوت پر سنجیدگی سے غور و فکر کرنے کے بجائے ان سے کہا کہ ہم کو تو تم کچھ بھروسہ آؤی معلوم ہوتے ہو۔ غالباً کسی نے تم پر ایسا جادو کر دیا ہے کہ تمہاری عقل بالکل ہمارے ہی گئی ہے جس کی وجہ سے ہماری اس تہذیب و ترقی میں



تمہیں خطرے ہی خطرے نظر آتے ہیں۔ اور ایک خطرے سے تم نہیں ڈرا بھی سکتے ہو۔ جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے ساتھ  
 نبی النبیین کا عام رد تیرا ہمارا ہے کہ جہاں نبی نے قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔ قوم نے اسی عذاب کا مطالبہ شروع کر دیا۔ صالح علیہ السلام  
 کی قوم نے بھی یہی انداز اختیار کیا اور ان سے کہا کہ اگر تم واقعی اللہ کا رسول ہو تو اسے دعویٰ دے دو کہ تو اسے آؤ ہم پر عذاب جس کی دھمکی تم  
 میں سے ہے جو۔ صالح علیہ السلام نے بڑی نرمی سے ان کو سمجھایا کہ لوگو! میں تو تمہیں اللہ کی رحمت کی طرف بلا رہا ہوں اور تم ہو کہ اس  
 خیر اور رحمت سے اپنے لگا رہتے ہو۔ پہلے اللہ کے عذاب کے لئے جلدی پھا رہے ہو۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ آخر کیوں نہیں اپنے رب سے مغفرت طلب  
 کرتے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے تاکہ وہ نہر بان رحمت تمہارے گناہوں کو معاف کر دے اور تم اس کی رحمت کے مستحق بن جاؤ لیکن قوم  
 نے اس شخص کو نصرت کو ملتے سے انکار کر دیا۔ اور صالح علیہ السلام سے کہا کہ تم اور تمہارے ساتھی تو ہمارے لئے نحوست کا نشان ہو۔  
 جب سے تم نے اور تمہارے ساتھیوں نے آجائی دینے سے انکارت کر کے یہ دعوت دینا شروع کی ہے۔ ہم پر کوئی مذکوئی مصیبت آتی رہتی ہے  
 کیونکہ ہمارے معبود ہم سے ناراض ہو گئے ہیں۔ دوسرا یہ کہ پہلے ہماری قوم میں اتفاق تھا۔ ہم ایک دین پر جمع تھے لیکن تمہارے آنے سے ہمارے  
 اندر انتشار پیدا ہو گیا ہے۔ صالح علیہ السلام نے قوم کو بتلایا کہ یہ آزمائشیں اور آفتیں جن کو تم ہماری نحوست کا نتیجہ قرار دے رہے ہو  
 ان سب کا تعلق اللہ کی تدبیر و تقدیر اور اس کی مشیت و حکمت سے ہے۔ یہ ہماری نحوست کی وجہ سے نہیں ظاہر ہو رہی ہیں بلکہ یہ اللہ  
 کی طرف سے تمہاری آزمائش ہو رہی ہے اور اللہ ان آزمائشوں میں ڈال کر تمہیں دیکھ رہا ہے کہ تم میں قبول حق کی کچھ صلاحیت ہے یا اب  
 تم بالکل ہی مردہ اور دفن کر دیے جانے کے لائق ہو گئے ہو۔

عرصہ صالح علیہ السلام نے ہر طرح سے قوم کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن قوم کی اکثریت نے ان کی دلدہندی اور خیر خواہی کو کوئی اثر قبول  
 نہیں کیا۔ بلکہ وہ ان کی دعوت کے مقابلے میں اپنی جمعیت، تمدن کی ترقی اور اپنے آباء و اجداد اور سرداروں کی عطا کی گئی غرور میں ہی مبتلا رہے  
 اور انہوں نے صالح علیہ السلام کی رسالت کو جھٹلانے کے لئے مذکورہ بالا مختلف قسم کے اشکالات کے علاوہ یہ اعتراض بھی ظاہر کیا کہ ایک ایسا  
 شخص جو ہماری طرح بشر ہے کوئی مافوق البشر ہستی نہیں۔ ہمارے ایسا ہی قوم کا ایک عام نوبہ کوئی بڑا سردار نہیں اور اکیلا ہے معاشرے کے  
 چند کمزور اور کم حیثیت افراد کے علاوہ اس کی پشت پر کوئی بڑا جتنا یا لشکر نہیں۔ اس کو کیونکر اللہ کا رسول مان کر اس کی اتباع کی جا سکتی  
 ہے۔ اس میں آخر ایسی کیا خصوصیت ہے کہ پوری قوم میں سے اسی ایک شخص کو اس مقصد کے لئے چنا گیا؟ ہم کہہ رہے ہیں کہ یہ شخص  
 اپنے غلوئے نبوت میں سچا ہو بلکہ یہ بالکل جھوٹا اور شیخی باغی ہے۔ اس طرح کا دعویٰ کر کے یہ ہمارے اوپر صرف دھونس مانا جا رہا ہے۔  
 اس نے اس کی بیرونی کا مطلب مگر ایسا اور خود غرضی میں پڑنے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

قرآن میں اس اعتراض اور انکار کو اس طرح بھی بیان کیا گیا ہے :- **مَا آفَنَّا إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا** کہ تم بھی تو ہم جیسے  
 ہی جیسے ایک انسان ہو۔ آخر تمہارے ایسے کیا سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں کہ تم تمہیں اللہ کا رسول مان لیں اور تمہاری دھمکیوں سے ڈر کر اپنے  
 دنیاوی معاملات اور مشغولات کی بساط لپیٹ کر رکھ دیں۔ اگر اللہ کو کوئی رسول ہی بھیجتا تھا تو ہمارے ہی جیسے ایک انسان کے بجائے کسی مرتبے پر  
 یا کسی مافوق البشر ہستی کو کیوں بھیجا؟ **فَأَتَتْ بِهَا قَوْمَهَا بِإِسْمَاءَ ابْنَتِهَا بِمِثْلِهَا** ہم تو تمہاری بات پر یقین نہیں کرتے بلکہ تمہیں



حق ایک بھڑا آدمی سمجھتے ہیں۔ اگر تم اپنے دعوے میں کچھ برکت نہیں کوئی ایسی نشانی دکھاؤ جس کو دیکھنے کے بعد ہمیں یقین ہو جائے کہ یہ حق تم کا ہے۔

بالآخر قوم کے اس فیصلہ کن جواب کے بعد صلح علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے ان کے سامنے ایک اونٹنی کو بطور نشانی پیش کیا کہ یہ اونٹنی سے تمہارے لئے عذاب کی نشانی۔ ساتھ ہی بطور آزمائش یہ شرائط بھی عائد کر دیں کہ اس کو اللہ کی زمین پر آزادانہ چرتے پھرتے دو۔ ایک دن اس کے پانی پینے کے لئے قلعوں ہو گا، اور ایک دن تم اور تمہارے جانوروں کو چھو گے اور یہ کہ اس کو بری نیت سے ہاتھ نہ لگانا یعنی اسکو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرنا ورنہ دردناک عذاب کی پکڑ میں آ جاؤ گے۔ ظاہر ہے جس اونٹنی کو قوم کے مطالبے پر بطور نشانی ہمیشہ کیا گیا وہ اپنی پہچان کے اعتبار سے کوئی خاص اونٹنی ہوگی۔ یا اپنی تعلقت اور ظہور میں کسی بجزانہ پہلو کی حامل ہوئی ہوگی۔ کیونکہ قرآن میں اس کا ذکر اسی انداز سے کیا گیا ہے۔ **طَلِقُوا شَاظِقَةَ النَّوْكَهَةِ آيَةً** کہ یہ اللہ کی اونٹنی ہے تمہارے لئے نشانی (الاعراف: ۵۰) **وَأَيُّهَا شَمُودُ لَنَأْتِيَنَّكُمْ قَوْمٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ** (ہی: ۵۹)

اللہ تعالیٰ معجزہ یا نشانی اسی لئے دکھاتا ہے کہ لوگ اس کو دیکھ کر خیردار ہو جائیں کہ نیا جو دعوت ان کے سامنے پیش کر رہا ہے وہی حق ہے اور یہ کہ ان کی اہست پر اللہ کی زبردست اور بے پناہ طاقت ہے اور اس طرح انہیں معلوم ہو جائے کہ نبی کی تکذیب کا کیا انجام ہو سکتا ہے؟ قرآن میں اللہ فرماتا ہے **وَمَا تَسْأَلُ إِلَّا لَنُؤَيِّدَنَّكَ** اور ہم تمہاریاں تو ڈراتے کے لئے ہی بھیجا کرتے ہیں۔ (ہی: ۵۹)

اس طرح اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کے مطالبے اور اسرار پر اس اونٹنی کو بطور نشانی بھیج کر ان کے لئے سخت آزمائش بتا دیا۔ اب یہ ان کے لئے عذاب کی نشانی تھی، کیونکہ اونٹنی کے پانی پینے اور چرتے پھرتے کے سلسلے میں متعین شرائط کی خلاف ورزی کرنا اس کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے کی صورت میں ان پر اللہ کا عذاب آ سکتا تھا لیکن گمراہی اور نافرمانی میں حد سے تجاوز نہ کرنے والی یہ سرکش قوم بھلا کب اس پابندی کو زیادہ تر سے تک گوارا کرنے والی تھی کہ ایک دن گھاٹ پرانے کی یہ اونٹنی پانی پئے اور دو سو سالوں وہ خود بھی پانی حاصل کرے اور اپنے جانوروں کو بھی پلائے اور پھر یہ ان کے کھیتوں، باغوں اور مختلف لوگوں میں آزادی سے چرتی پھرتی؟ چنانچہ جہاں ایک طرف اس قوم کے نوگروہوں نے اپنے سرور اور رب کی سرکردگی میں صالح علیہ السلام اور ان کے ایماندار ساتھیوں کو اپنے سامنے سے ہٹانے کی خفیہ سازشیں تیار کی وہاں دوسری طرف قوم کے ایک نام نہاد بھی خواہے اونٹنی کو ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا۔

یاد رہے کہ قوم ثمود کے اندوہ جے خاندان یا گروہ تھے جن کا قرآن میں ذکر آیا ہے۔ **وَمَكَانٌ فِي الْمَدْيَنَةِ وَتِلْكَ رَءِطٌ يَشْتَدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُضِلُّهُمْ** (النمل: ۸۴) ان کا معاشرے پر بڑا نمایاں اثر تھا لیکن یہ سب گروہ اپنے سربراہوں کی قیادت میں صالح علیہ السلام کی دعوت کے شدید مخالفت تھے اور اس طرح بجائے اس کے کہ صالح علیہ السلام کی دعوت کو قبول کر کے پوری قوم کی اصلاح کے لئے راہ ہموار کرتے وہ اس اصلاحی دعوت کی مخالفت کے ذریعے زمین پر



فساد پلایا کرنے میں کسر محکوم تھے۔ دراصل اصلاح کا واحد راستہ اللہ کی بندگی اور اس کی اطاعت میں داخل ہونا ہے اور مقام نبیاء علیہم السلام نے اسی کی دعوت دی ہے، اس لئے اس دعوت کی مخالفت فساد فی الارض ہے۔ ان مفسدین نے اللہ کی قسم کھا کر آپس میں جھگڑ کیا کہ ہم صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں پر شیخون مارکر ان کو قتل کر دیں گے اور پھر ان کے وارثوں کو یہ کہہ کر یقین دلادیں گے کہ ہم موقع واردات پر موجود نہیں تھے اس لئے ہمارا ان کے قتل سے کوئی تعلق نہیں۔ جب کوئی قوم رسول کے معاملے میں سرکشی کی اسی حد تک بڑھ جاتی ہے تو سعت الہی کے مطابق وہ عذاب کی گرفت میں آجاتی ہے چاہے ان کی یہ خیال اللہ کی تدبیر کے معاملے میں کامیاب نہ ہو سکی اللہ فرماتا ہے وَ مَكْرُهُمْ وَاَمْكُرُواْ وَمَكْرُؤًا مَّكَرًا وَ هُمْ لَا يُشْعُرُوْنَ ؕ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مُّكْرِهُمْ ؕ لَّاۤ اَمَادَ لِلْمُكْرِ فَهَضْمٌ وَقَوْمٌ مَّحْضَرٌ اٰجَعِيْنَ ؕ ”اور وہ (ہمارے پیغمبر کے خلاف) ایک چال چلے اور ہم نے بھی ایک تدبیر کی اور ان کو خبر نہ ہوئی۔ پس دیکھ لو کہ ان کی چال کا انجام کیسا ہوا؟ ہم نے ان کو اور ان کی قوم سب کو ہلاک کر ڈالا“ (الحملہ - ۵- ۵۱)



ہی پر توبہ اس وجہ سے تیسرے دن ان پر عذاب آگیا۔ چنانچہ جب اونٹنی کی کوچیں رکائی گئیں تو صالح علیہ السلام نے ان سے کہا کہ اب اللہ کے عذاب کا انتظار کرو جو آیا ہی چاہتا ہے۔ **مَسْتَحُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ذَلِكَ وَعْدُ غَيْرُ مَكْذُوبٍ** (اپنے گھروں میں تین دن تک (مزید) مزے اٹاؤ یہ (اللہ کا) وعدہ ہے جو جھوٹا نہ ہوگا۔ (ہود: ۶۵) پھر صالح علیہ السلام نے قوم سے ناسید ہو کر پلٹے سے پہلے ان سے یہ الوداعی کلمات کہے۔ **لَقَدْ أَنبَلْتُكُمْ وَرِسَالَتِي رُفِيَتْ وَلَقَدْ كُنتُم مِّنَ الْغَافِلِينَ** (کہا اے میری قوم! میں نے تم کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور تمہاری غیر خواہی مگر تم (ایسے ہو کہ) غر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔ (الاعراف: ۷۹)

چنانچہ اللہ کے حکم اور وعدے کے مطابق تیسرے روز ان پر اللہ کا عذاب آگیا اور یہ ظالم اور سرکش قوم اپنے انجام کو پہنچی۔ اللہ فرماتا ہے **فَاخْذُ نَصْرَ الرَّجْفَةِ فَاَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَثَمِينَ** (پس ان کو تھر تھرا ہٹ یا بھو بچال تے آپکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔ (الاعراف: ۷۸) قرآن میں بعض جگہ اس عذاب کے لئے صحیحہ کا لفظ استعمال ہوا ہے فرمایا

**وَاخْذُ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَاَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَثَمِينَ** (کہا ان کو صبح کی آواز پر اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔ گویا کبھی ان میں سے ہی نہ رہے۔ (ہود: ۶۷)

**إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَصِيمٍ الْمَخْظَرَةِ** (ہم نے ان پر عذاب کے لئے) ایک صبح بھی تو وہ ایسے ہو گئے جیسے ہارے کی سوکھی اور ٹوٹی ہوئی بار، (جو ہار بارش اور جالزوں کی باتوں سے ٹوٹ کر چورہ چورہ ہو جاتا ہے) (القمر: ۲۱) اسی طرح قوم ثمود پر آنے والے عذاب کے لئے **صَاعِقَةً** اور **طَائِفَةً** کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں (القمر: الحاقۃ) جن کے معنی گرد گت اور سخت زور کی آواز ہیں بہر حال یہ بڑی بڑی بھارت اور مملکت بننے والی اور پہاڑوں کو تراشنے والی تداور قوم ایک آواز سے ایسی بے ہوش ہو کر گر گئی تھیں کہ پھر سر نہ اٹھا سکی ان کے مالی مشاغل و معاملات پہاڑوں کو تراش تراش کر مٹا دیئے گئے مضبوط مکانات اور دیگر مادی وسائل اللہ کے عذاب کے مقابلے میں ان کے کچھ بھی کام نہ آ سکے ان کے مطلبے میں صالح علیہ السلام اور ان کے اہل ایمان سمجھتے تھے کہ اللہ نے کچھ فرمایا۔ **فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا وَالدِّينَ أَهْلًا** (پس جب ہمارا (عذاب کا) حکم آگیا تو ہم نے صالح کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی مہربانی سے بچا لیا۔ (ہود: ۶۶) اللہ تعالیٰ ایسی ظالم اور مافران قوموں کے انجام سے بچائے اور اپنے فرمانبردار اور صالح بندوں میں شامل فرمائے۔ آمین!





# اَلْفَيْتَ كُلَّ نِيْمَةٍ لَا تَنْفَعُ

تحقیق و نظر ————— انیس الدین - کراچی

وہب ذوالجلال ملحق فرماتا انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، ہر نبیؑ نے اپنی قوم کو الہ واحد کی بندگی کا سبق سکھایا اور جہنمی انسانیت کی اصلاح کے اس مشن اور دعوت پر کلام کا مرکز و محور المسحکین اللہ واحد لا الہ الا اللہ کے پیغام کو بنایا۔ قرآن کریم انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ہی یہ بتانا ہے کہ وہ صرف اللہ واحد کی بندگی کی دعوت دیں اور غیر اللہ کے ساتھ ہندگی کے تعلق و تعلقہ کو چھوڑ کر یوں دراصل انسانی حاشیہ پر حرکت و کمال کا دار و مدار اس نظریہ و جدانیت اور یوم آخرت کی چوہدری کے یقین اور اس کو انفرادی و اجتماعی زندگی میں عملی طور سے اختیار کر کے رہیں، اس مقصد کو پالیفٹ کے بعد وافر وقتی اور ہنگامی مسئلہ بنائی جانے لگی ہیں، اس کیلئے ہر نبیؑ کی تمام معنی و بعد اس مسئلہ پر موقوف رہتا ہے کہ اللہ کے بندوں کا ایمان و قیام کے شرک کی آغیز شمس سے پاک ہو جائے، اللہ کو خالق و رازق ملنے والے اس کو عبادات پرور کی کمرے والا سزا میں بر لائے، بگڑی بنانے اور اولاد دینے والا سمجھیں۔ صرف اور صرف یہی تمام اُمیدوں کا سہارا ہوا آئیں یہ جھوٹا توکل ہو اور اس کے فیصلے اور مشیت پر مدد ملنے ہوں، آڈسے وقت میں، اس کو چھوڑ کر، کوئی دوسرا فوق الاسباب

راستہ تلاش کیا جائے کسی کھڑے اور پڑے بیت (پتھر و قبر) سے خوف و عقیدت کا تعلق نہ ہو اور ہر قسم کے شرک سے نفرت و بیزاری کا اظہار ہو۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اللہ کو اپنا رب مان کر ہر قسم کے شرک اور طاغوت پرستی سے اپنے ایمان کو یکسر پاک کر لیا تھا۔ ان کھڑے اور خالص ایمان کے حامل، ہمت و دہلیز نے یکسو اور یک، تنگ ہو کر صبر و ثبات کے ساتھ طاغوت کے پرستاروں کے ہاتھوں لایا، اہل اسی پھر ہجرت کے مرحلے سے گزرنے کے بعد سیر پلائی ہوئی دیار میں کو یہ بیان تھا کہ میں ان کا متبادل کیا اور اس طرح اپنے رب سے کیے ہوئے عہد کو پورا کر دکھایا تب اللہ رب العالمین نے ان سے کیا ہوا وعدہ بھی پورا کر دیا اور دنیا و آخرت کی عزت و سرفرازی سے نوازا۔ کیا چشم فلک نے کبھی ایسا انقلاب دیکھا ہے کہ پست ترین قوم بے سرو سامانی اور قوت تعداد کے باوجود قلیل مدت میں اس وقت کی سب سے طاقتور مملکتوں، قیصر و کسریٰ کو زیر کر کے عالمی اقتدار کی مانگ میں چلے اور گرد ارض پر بسنے والے ان کے خوف سے لرزہ برپا نہام ہوں؟ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اسلام کے پیچھے قسود نہ



عظیم المرتبت انسانوں کے عزت و وقار اور جاه و شہرت کا یہ دور  
 قلیل سی لیکن بلاشبہ تاریخ انسانی کا یہ ایک زریں اور بیشمار  
 باب ہے۔ یہ منسوبہ الہی کی تکمیل اور اس کے پسندیدہ بندوں پر اسکی  
 نعمتوں کے اتمام، اللہ ربہ کریم کے وعدے "وانتم من الا  
 عفون ان کفتم صلوٰۃ عین" کی واضح شہادت اور  
 شیطان کے متبعین پرستار ان طاعت کی ذلت و رسوائی کا بڑا  
 ثبوت اور چشم بینا کے لیے عبرت آموز سبق ہے۔

لیکن لغت ہے اس پر نصیب انسان پر جس نے جلدی اپنے  
 ازل دشمن کے آگے سپرد انداز ہو کر اپنے خالق و کاتب الہی کریم اور مقرر  
 رحیم ذات کے ساتھ غم و بے وفائی اور عداوت کے مکر و فریب کی  
 پذیرائی کی موش افشاں کورل پھر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے  
 ساتھ بے اعتنائی مقلی جالے لگی اللہ کو رب مانتے کے زبان دشمنی  
 اور نبی علیہ السلام کی محبت کا دم بھرنے ہی کو آخرت کی کامیابی اور عذاب  
 سے نجات کا ذریعہ سمجھا جانے لگا۔ دنیا کی دلفریب لالت آفرینی اور  
 عیش و طرب کا متوال انسان اپنے مقصد حیات سے غافل ہو کر تنکیر  
 علمی کا شکار ہو گیا پھر دین فروش احماد و مہربان (مولویوں اور پیروں)  
 نے زہر دلقوی کا لبادہ اوڑھ کر دام بہرنگ نہیں بھینچایا، کتاب اللہ اور  
 احادیث کے اصل دین و توحید و سنت کے حقیقی مفہوم پر کتمان کا پردہ ڈالی  
 مگر اس کو ان باطل نظریات اور خیطاتی قہرات و رسوائی کا پر تار بنا دیا  
 جو پہلے موجود نصاریٰ کی ذلت و کمزوری کا سبب بنے تھے آج اس  
 اُمت کے کام بھی دبی ہیں جو پہلے مشرکوں کے تھے بس نام بدلے ہوئے  
 ہیں۔

زمانہ جاہلیت کے کئی نظریات اور معتقدات کو اس اُمت  
 میں عام کیا گیا، ان میں تعزیر نہ دیکھنے سے، منکر و گھوٹکے اکڑنے و چھٹنے  
 سنت و رسالے اور رسول و نوح کے بھی شامل ہیں۔

اجہاد و مہربانی نے ان میں سے ہر ایک کے ساتھ لفظ  
 اسلام کا اضافہ کر کے ان کو عین اسلام قرار دے دیا اور شرعی تعزیر  
 کی اصطلاح ایسا کر کے مذہب جاہلیت اور اسلام کے فرق و امتیاز  
 کو ختم کر دیا۔ اُمت مسلمہ کے افراد کی گردنوں اور بازوؤں کو یکجہ  
 جائے مختلف انواع و اقسام کے تعزیر و منکر سے ملنے اور بندھے نظر  
 نہیں گئے، کسی نے باجبرائیل یا میکائیل لکھے تعزیر کو منکاپ ہے تو کسی  
 نے اسماء اللہ پر مشتمل کسی نے مشرک و کفر پر مبنی تعزیر پر استقامت  
 کیا ہے تو کوئی قرآنی آیات لکھ کر بتائے تھے تعزیر کے ذریعے مشکل آسان  
 کرانے پر مصر ہے کسی نے سمجھے میں نہ آنے والے کلمات پر مشتمل تعزیر  
 سے اس لگائی ہوئی ہے تو کسی نے اعداد و جادوئی سر بقوں کو نافع و مہار  
 بنا دیا ہے۔ اسی طرح قرآن جو سر امر مہیض و شد و ہدایت ہے اس کا  
 عقیدے کی اصلاح اور تذکیر و تکریم کے لیے رب قدوس العالی نے نازل فرمایا  
 تھا اب چھوٹے سے تعزیر کی شکل میں لگے کی زبردستی کر تعزیر کا کام دے  
 رہا ہے اس کے علاوہ منکر و گھوٹکے احمال کی زبردستی یا ناست نظر ہر  
 معنوی کار کھنے کے لیے ہیں تو دعوات سے جی ہوئی چھری دیا تو خاموشی  
 پر مہربانی سے بھاؤ کا سامان ہیں، لگائی میں کرنا اور کان میں چھپا بیاری  
 کا علاج بیکر بیاری سے ہر ایک کا ذریعہ اغراض یہ سب تعزیر و منکر سے  
 وغیرہ ان کے نظم میں ان کو آفات و امراض سے محفوظ رکھتے اور انکی  
 ہر حاجت و مراد کو یوں اکر کے ہیں۔ بد نصیب انسان کے اس  
 خود ساختہ پرداختہ مذہب کے بالکل برعکس کتاب اللہ اور سنت  
 رسول اللہ کی تعلیم یہ ہے کہ اللہ ہی اکیلا حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔  
 وہی سب کی قہریات کو پورا کرنے والا اور خیر و برکت سے نوازنے والا  
 ہے۔ مہربان بر لانا، نیکوئی بنانا اور اولاد دینا سب اس کا کام ہے۔  
 اس لیے قرآن و حدیث کی تعلیمات پر یقین کا تقاضا ہے کہ اللہ کے  
 علاوہ کسی اور سے فائدے اور نقصان کی امید نہ رہے کہ جالے



صرف اللہ کی ذات پر توکل اور بھروسہ کیا جائے۔ اس کی رہنمائی اور نصرت پر مابرہ شاگرد رہا جائے اور ہر قسم کے تعویذ و گدگدے، نیکی، گھر، گھنٹے، گڑھے و چھتے، آمانت، دھماکے اور ٹوٹے دڑے کے شرک سمجھتے ہوئے ان سے نفرت و بیزاری کا اظہار کیا جائے۔ اس مسئلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و ترجیح ذیل ہیں۔

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

**تعویذات اور شرک**  
فَإِنَّ التَّوَكُّلَ وَالشَّمَامَةَ

وَالِتَّوَكُّلَ يَشْرُكُ

ابوداؤد ۵۳۳۵ عن عبد اللہ بن مسعود وبقولہ

مستدرک احمد جلد ۱ ص ۲۴۱ عن عبد اللہ بن مسعود

بن مرفوعاً عن ماجہ ص ۲۲۰ عن عبد اللہ بن مسعود

بن مرفوعاً السنن الکبریٰ جلد ۵ ص ۲۵۰ عن

عبد اللہ بن مسعود مرفوعاً المستدرک جلد ۱ ص ۲۴۱

۲۔ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۲۰۰ ووافق الذہبی

ترجمہ: قوم و تعویذات اور تَوَكُّل شرک ہیں۔

۳۔ ابوداؤد مسند احمد ابن ماجہ السنن الکبریٰ اور مستدرک

۴۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيمَةً فَقَدْ شَرَكَ

مستدرک احمد جلد ۱ ص ۲۴۱ و صحیح البخاری

الاحادیث الصحیحہ حدیث نمبر ۲۶۱۱ قال الحیثمی رواہ احمد

و الطبرانی و رجال احمد ثقات مجمع الزوائد الجز نمبر ۱ ص ۲۴۱

الفتح الزبانی الجز نمبر ۱ ص ۱۸۸

ترجمہ: جس نے تَمِيمہ لٹکایا اس نے شرک کیا۔

(مسند احمد مستدرک البخاری)

۳۔ ایک اور حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعویذ کا ذکر

کوا حق و باقی) سے بے پرواہی کی علامت بتایا ہے

”مَا أَيْبَا لِي مَا أَيْبَا لِي إِنْ أَمَّا شَرِيَتْ تَبْرِيَاءُ

أَنْ تَعَلَّقَتْ تَمِيمَةً أَدْقَلْتُ الشَّعْرَ مِنْ قَبْلِ نَفْسِي

مستدرک احمد جلد ۱ ص ۲۴۱ عن عبد اللہ

بن مرفوعاً مسند احمد ص ۲۴۱

ص ۲۴۱ حدیث نمبر ۲۰۸۱ ترجمہ: احمد محمد شاہ

ابوداؤد ص ۲۴۱ المستدرک لابن ابی شیبہ

جلد ۱ ص ۲۴۱

ترجمہ: ”میں (حق و باقی) سے بے پرواہ ہو گیا اگر تیرا حق استعمال

کروں تعویذ لٹکائی یا شاعری کروں۔“

(مستدرک احمد ابوداؤد مسند ابن ابی شیبہ)

۴۔ تمام جمع ہے تَمِيمَتِ ک۔ تَمِيمَتِ کے معنی ”خود“ یعنی

تَعْوِذ اور وہ چیز جو بطور تعویذ کیلئے استعمال کی جائے۔

ملاحظہ ہو۔

۱۔ احمد بن قاضی القفوی المتوفی ۳۹۵ھ بحمل اللغات میں لکھتے

ہیں۔

والتَمِيمَةُ: عودَةٌ تعلق علی الانسان و فی

الحدیث ”مَنْ عَلَّقَ تَمِيمَةً فَلَا تَكْفُرُ اللَّهُ لَهُ“

ترجمہ: اور تَمِيمَتِ کے معنی تعویذ کے ہیں جو کہ انسان کے لٹکایا

جاتا ہے اور حدیث میں ہے کہ جس نے تعویذ لٹکایا اللہ اس کی مراد

پادری نہ کرے۔“

(بحمل اللغة جلد ۱ ص ۱۲۵ ابن قاضی القفوی)

۲۔ ابوبکر محمد بن الحسن بن درید المتوفی ۳۷۷ھ المتوفی ۳۷۷ھ

الاشتقاق میں لکھتے ہیں۔



والتي هيمة: المعادة تعلق على الإنسان

الاشتقاق ص ۳۱ لابن دريد محيط المحيط

المعلم بطرس البستاني

ترجمہ:- اور تہمیت کے معنی تعزیر کے ہیں جو کہ انسان کے لٹکایا جاتا ہے (الاشتقاق، محيط المحيط)

۲- اسماعیل بن حماد الجوبیری "الصالح" میں لکھتے ہیں۔

والتي هيمة: عود تعلق على الإنسان

الصالح تعلق اللغة وصالح العربية البصرة

ص ۱۹۷ الجوبیری

فتح ر الصالح ص ۹۳ محمد بن ابی بکر بن

عبد القادر الرازی الجمع البحرین البحر ص ۲۷

الشیخ فخر الدین الطبرکی اقرب الموارد

سید الخوری الشرح فی اللبانی

لسان العرب جلد نمبر ۱۲ ص ۶۹

ابن منظور الاثر فی المعجم

ترجمہ:- اور تہمیت کے معنی تعزیر کے ہیں جو کہ انسان کے لٹکایا

جاتا ہے۔ (الصالح تعلق اللغة وصالح العربية، فتح ر الصالح

جمع البحرین، اقرب الموارد و لسان العرب)

۳- شیخ الفاضل عبد الرحیم بن عبد الحکیم مفتی الادب

میں لکھتے ہیں۔

تہمیت: تعزیر نمبر ۱۰۰۰۰ کہ وہ بدعت کردہ و گردن اندازہ

ہائے دفع چشم بد

مفتی الادب جلد اول ص ۱۳۸ عبد الرحیم

الفاضل

ترجمہ:- تہمیت تعزیر نمبر ۱۰۰۰۰ کہ وہ بدعت کردہ و گردن اندازہ

مسلک کر کے گردن میں لٹکاتے ہیں نظریہ سے بچنے کے لیے۔

(مفتی الادب)

۵- ابو القاسم محمود بن عمر الزمخشری الشرح ص ۵۳۸

"اساس البلاغہ" میں لکھتے ہیں۔

"وتعلق عود تعلق على الإنسان

اساس البلاغہ ص ۳۱۹ ابو القاسم الزمخشری

ترجمہ:- تعزیر اور بطور تعزیر کے جو شے لٹکائی جائے وہ

تہمیت ہے۔ (اساس البلاغہ)

پس واضح ہوا کہ تہمیت (عود تعلق) یعنی تعزیر وہ

چیز ہے جو تعزیر کے لئے استعمال کی جائے مابود و بیوی شاعر

کایہ شعر بھی اسی کی وضاحت کرتا ہے۔

واذا المنيّة انشبت اخطار صا

القيت كل تهممة لا تنفع

ترجمہ:- اور جب موت اپنے پنجے کاڑھے گی تو

گویا سب گاہر ایک قسم کے تعزیر کو بے فائدہ

اس تمام وضاحت کے باوجود بعض کا امر ہے کہ

"وأما المعادات إذا اكتب فيها القرآن

وأسماء الله فلا جأس بها" (لکن جب تعزیرات

قرآن اور اسماء الہی لکھ کر باندھے گئے ہوں تو انہیں لٹکاتے ہیں کوئی

حرج نہیں ہے) مگر ان کے اس امر اور دعویٰ کے برعکس احادیث

میں تعزیرات لٹکانے پر بھی عام وارد ہے پس اس عام کو خاص اور

مطلق کو مقید کرنا تو دینہ ادعیٰ کا حربہ غرور ہے مگر دین داری نہیں

احادیث میں وارد تعزیرات لٹکانے کا عام یہی کو غیر قرآنی تعزیرات

کے ساتھ مخصوص و مقید کرنا شریعت کے تمام و اکمال کی حقیقت

کو جھٹلاتا ہے۔ احمد شاہ رحمہ اللہ



”والنهي في الاحاديث عام، فلا وجه  
لتخصيصه بشي، تمام القرآن، ولو كان ذلك  
جائزا لورد عن المشايخ كما ورد في الاثرين بالوقوف  
المفصولة“

### کتاب التوحید بتعلیق احمد شاہ ۱۹

ترجمہ :- اور احادیث میں (تعویذات) کی بھی عام ہے باہر  
اس کو غیر قرآنی تعویذات کے ساتھ مخصوص کو سننے کی کوئی وجہ نہیں  
اور اگر وہ (قرآنی تعویذ) جائز ہوتا تو یقیناً نبیؐ اس کی اجازت  
دارد ہوتی جیسا کہ (ذم کی بھی کے ساتھ ساتھ) مخصوص ذم کی اجازت  
دارد ہے۔

### کتاب التوحید بتعلیق احمد شاہ

مزید برآں دوسری حدیث میں ہر قسم کے تعویذ و کنہ سے  
بچنے و بچھونگے آمانت درہاگے بچھونے کی بھی اسی طرح آئی ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

”صَلِّ تَعَلَّقْ شَيْئًا وَتَكَلِّمِ الْمَلَكَ

لَسَانُ جِلْدِكَ صَلِّ عَنِ ابْنِ مَرْزُوقٍ

ترمذی جلد ۲ ص ۲۹۰ عن عبد اللہ بن عقیل عن

مسند احمد جلد ۳ ص ۲۱۰ عن عبد اللہ بن عقیل عن

المستدرک جلد ۲ ص ۲۱۰ عن عبد اللہ بن عقیل عن

السنن الکبریٰ جلد ۹ ص ۲۱۰ عن عبد اللہ بن عقیل عن

ترجمہ :- جس نے کوئی چیز لٹکانی تو وہ اسی کے حوالے کر دیا جائے گا

(لسانی ترمذی، مسند احمد، المستدرک، السنن الکبریٰ)

چنانچہ تعویذات کے جواز کے لیے نو عدد اور تاویلات

کی جاتی ہیں وہ عندہما کے لنگہ اور تاویلات نہیں ہیں بلکہ حقیقت

سے کوئی تعلق نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ شیطان کے متبعین پر تعلق

طاغوت سے نہ ہو تو تعویذ کا زیادہ اور گہرا جوار و درمیان کی شکل میں  
این داری کے عمران سے ڈکا ندامی کا باز اور گرم کیا اور نہ صرف  
لوگوں کو اصل دین و کتاب و سنت سے نابلد رکھا بلکہ اس کے اور  
لوگوں کے درمیان آگ بھی بنائی۔ چنانچہ یہ کہتے تھے کہ تعویذ  
گندھ سے کہ جس کا دیا کو دنیاوی فساد و اعراض کے حصول کی خاطر  
انہوں نے فروغ دیا اس کے بارے میں دیکھیں یہاں اس کی بیج بھی کی  
جائے اور یہ خاموش رہیں۔ اسی اس کا ندامی کی حفاظت کی خاطر  
فی دین داری کا مظاہرہ کبھی عذر اور کبھی تاویلات سے کرتے ہیں  
اور اس پر بس نہیں کہتے بلکہ اس سلسلے میں صحابہ کرام رضوان اللہ  
عینہم کا اختلاف بتاتے ہیں اور جواز کے لیے بعض صحابہ (عبد اللہ بن عمر  
رضی اللہ عنہما) اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام پیش کرتے  
ہیں۔

مسند جلد ۱ ص ۱۰۰ میں لکھا اس فریب کا یہ وہ چاک کو گایا

اولاً آپ کا نام پیش کئے  
عبد اللہ بن عمرو بن العاص

روایت ہے جو اس طرح ہے۔

ترجمہ :- عبد اللہ بن عمرو بن العاص فرماتے ہیں کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈکا جاتے والوں کے لیے یہ دیکھا کرتے تھے اسود

بکلمات اللہ الشاقصة من غلبہ و شر عبادہ و

من همزات الشیاطین (راوی کا بیان ہے کہ عبد اللہ

بن عمرو اپنے سمجھ والے بچہ کو کہہ دیا کہ واسطے تھے اور اسے

بچوں کے گلے میں لٹکا کر دیا کرتے تھے۔ (مشکوٰۃ ص ۲۱۰)

یہ ساری روایت میں اپنے طرز کی مسند اور ایک ہی روایت

ہے جو کہ شدید ترین فصاحت ہے بلکہ منکر و معصومہ روایت ہے

مختلف کتب حدیث میں ”عن محمد بن اسحاق عن عمرو بن شعیب عن







۴۔ **محرر بن خطاب رضی اللہ عنہ** نے ایک پروردگار پر "بسم اللہ الرحمن الرحیم" لکھی کہ ایک صاحب کو دیا تھا کہ ٹوپی میں لٹکایا گیا کہ تو سر کا دروازہ بند کر دیا جائے گا اس کے علاوہ آپ سے منسوب ایک قصہ دیا ہے قبل کے متعلق بھی بیان کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ وضعی باتیں اور محض افسانے ہیں۔ تعینات کے جواز کے لیے اس سے استدلال قابلِ غور سے بیگانہ ہے۔ حیالات اور قریب کاری کا ثبوت ہے۔

۳۔ **عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا** کو منسوب کرنا صریح علم اور بڑی جرات ہے۔ مروی حدیث میں ایک بھی صحیح روایت ایسی موجود نہیں ہے بلکہ آپ کو شرک کی تمام صورتوں و شکلوں سے بے انتہا بیزار تھیں۔ مکتب روایت میں ساقط ال اعتبار سند سے مروی عائشہ سے منسوب اس قول (لیست التیمۃ ما تخلق بہ بعض البلاء) ما تميمۃ ما تخلق بہ قبل البلاء (یعنی بپایاں بیاد کے مفعول کے بعد لکھا جاتا ہے وہ تميمۃ نہیں ہے بلکہ تميمۃ تو وہ ہے جو بپایاں آنے سے قبل لٹکایا جائے گا) سے بھی استدلال درست نہیں۔ کیونکہ یہ منشاء غیر ثابت اور قنایہ منکر ہے عجیب بات یہ ہے کہ تحویرات کے جواز کے لیے اس سے استدلال کرتے والے ہی اس نام کے معنی خدشات کہتے ہیں کہ خدشات کا لفظ نابطل بق حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم شرک ہے۔ بعض صرف مشرک نہ کلمات کے ساتھ اس کو مخصوص کرتے ہیں بلکہ پیش کردہ قول تو خدشات اور مشرک نہ کلمات میں تعویذات کو نزدیک ملا کے بعد لٹکانے کو "تکائم" کی تعریف کا سے خارج کر دیتا ہے۔ اور قرآنی تعویذ "ادھر شرک تعویذ" کو قبول ہلا سے قبل لٹکانے پر تکائم کی تعریف میں شامل اور شرک محض قرار دیتا ہے۔ طرزِ تماشہ تو یہ ہے کہ دھڑائی تو عائشہ سے تعویذات

کے لٹکانے کے جواز کا ہے۔ جبکہ دلیل میں ایسا قول پیش کیا جا رہا ہے جو میں محض "تعمیت" کہ تعریف بیان ہوئی ہے۔  
صالحہ کرام رضی اللہ عنہم نے تو اللہ پر کورسے جان کر ہر قسم کے شرک سے نفرت اور تیراری کا اظہار کیا اور اسی کے فیصلے و مشیت پر راضی ہوئے اور اسی پر بھروسہ توکل و پھر دوسرے اور عجز و گنہگار کے شرک یا فساد سے وہ کس قدر نیرام تھے اس پر درج ذیل روایات گواہ ہیں۔

۱۔ **عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ** عن ذیب العذراء مسعود: ان عبد اللہ راى فی عتقی قیظاً فقال: ما هذا؟ فقالت: حیضٌ فی ریحی فیہ اقامت: فأخذہ فلقطعہ ثم قال: أنتم آل عبد اللہ لا غیاء عن المشرک! سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: إن الریحی والسمائم والبقرة وشوک، فقلت: لیس تقول لکذا؟ فقالت: عینی تعذف، فکنت أخیف إلی قلان السجود فإذا رقاها سکت! فقال عبد اللہ: إنما أولک عمل الشیطان، لکن ینفکها یدیه، فأذا رتی کف عنتها، إنما کان یلغی فی أن تقول لکما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "أذهب البأس رب الناس واشت أنت الشفاء فی لا شفاء إلا شفاءک، شفاء لا یخار و سقما"

ترجمہ:۔ عبد اللہ بن مسعود کی زوجہ زینب سے روایت ہے کہ عبد اللہ نے میری گردن میں ایک دھاگہ دیکھا تو پوچھا کہ یہ کیا ہے میں نے کہا یہ دھاگہ ہے جس پر میرے لیے دم کیا گیا ہے یہ کس



کراہیں تو کچھ پکڑا اور توڑ ڈالا پھر فرمایا تم آل عبد اللہ شریک سے  
بے نیاز ہو! میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا  
کہ وہ تمہیں عزت اور تولد (گنڈہ) شریک سے پس میں نے کہا  
کہ آپ ایسا کیوں کہتے ہیں؟ جبکہ میری آنکھ وہ دم کے سبب نکلی پڑی  
تھی اور میں فلاں یہودی کے پاس جایا کرتی۔ تو جب وہ دم کرتا تو  
آنکھ آرام پاتی۔ عبد اللہؓ کے کہنا یہ ضیعیاتی عمل ہے۔ وہ ہاتھ  
سے آنکھ کو دبا آگیا پس جب دم پڑھا جاتا تو وہ دبا ہوا پھوٹ پڑتا  
تھا یہ تم کو تو یہ کافی تھا کہ (وہ کلمات) کہتیں جو رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ۔

(اسے ٹوٹوں کے پرور دیکھو! بیماری کہ دور  
کر دے اور شفا و عطا فرما کہ بے شک تمہی شفا دینے والی ہے  
اور میری شفا کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ ایسی شفا و عطا  
فرما جو بیماری کو دھپوڑے)

(ابو داؤد سن ۵۴۵، مسند احمد جلد ۱ ص ۳۸۱ ابن ماجہ سن ۴۲۷)  
**عبد اللہ ابن حکیمؓ** | عَنْ عَلِيٍّ بْنِ حُمْرَةَ قَالَ  
دَخَلْتُ عَلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ  
حَكِيمٍ وَبِهِ حُمْرَةٌ فَقُلْتُ لَا تَعْلِقُ نَمِيمَةً فَقَالَ  
نَحْوُ مَا لِلَّهِ مِنْ ذَلِكَ قَالَ سَأَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعْلِقُ شَيْئًا وَكَلَّ إِلَيْهِ  
حَرِيمٌ - عَلِيٌّ بْنُ حُمْرَةَ قَرَأَ فِيهِ كَرَّمَ اللَّهُ بَيْنَ حَكِيمٍ كَيْسٍ  
عِيَادَتِ مَكِيلِہ گيا وہ سرخ باوہ کی بیماری میں مبتلا تھے میں نے  
کہا آپ کوئی تعویذ کیوں نہیں لکھاتے یہ سن کر انہوں نے کہا تعویذ  
سے اللہ کی نساہ نبی صلعم نے فرمایا جس نے کوئی بھی چیز لکھائی تو  
۵۵ اسی چیز کے پیر کو دیا جائے گا۔

(مسند احمد، ترمذی جلد ۲ ص ۲۷ مشکوٰۃ ص ۳۸۹ - المستدرک  
جلد ۲ ص ۲۱۹)

عن عقیبہ بن عامر قال | **موضع القیمۃ من الانسان**  
والطفل شریک

(المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۱ ص ۱۵۱)  
ترجمہ:۔ عقیبہ بن عامر فرماتے ہیں لوگوں اور بچوں کے تعویذ  
باندھنا و لٹکانا شریک ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)  
مسند احمد ج ۱ ص ۱۵۱ شریک کو تعویذ و گنڈے جیسے شریک  
کے مظاہر سے اس قدر نفرت کیوں نہ ہوتی جسکو نبی صلی اللہ علیہ  
وسلم نے ان شریک پر تنبیہ کی کہ جالوتوں کے جیسوں تک سے  
گھڑا کر انکے گروا دیا۔

"عن ابی بشیر الانصاری أنہ کان مع رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بعض سفارہ قارسل  
سؤالا أن لا یبذل فی ساقبہ یحیی قتلادہ من  
رؤسہ او قتلادہ الا لقطعت (مدواہ بخاری مسلم)  
ترجمہ:۔ ابو بشیر انصاری روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ نبی صلعم  
نے ایک مادی کہنے والے کو بھیجا جو یہ اعلان کر رہا تھا کہ کسی  
اونٹ کی گردن میں تانت کپڑا ہو یا کسی اور چیز کا تو اس کو کاٹ ڈالا  
جیسے ہرگز نہ باقی نہ چھوڑا جائے۔ (بخاری مسلم)  
اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق کے اعتراف و اتباع کی توفیق  
عطا فرمائے (آمین)





# بُستانِ عجبِ کسمِ پجاری

از: علامہ ابوالطالب راولپنڈی

بہت ہی کم پائے اپنے طرف کلامِ باری نے ہم میں ہر  
مرد سے گزرا ہے سچ پوچھو عرب کا مذہب کیم میں ہر  
اکبر الہامی

اسلام کی عظیم و شمالِ سعادت کے مضبوط ستونوں کو اسلام  
ہی کے نام پر جو دیکھ چاٹ کر کھوکھلا کر گئی اور جس نے اسلام کی  
روح کو قتل کے گھاٹ آگارا ان نظریاتِ فاسدہ و عقائدِ باطلہ اور  
امالِ غیرِ صالحہ کی طویل فہرست میں ولی اللہ کا غیرِ اسلامی اور غیرِ قرآنی  
تقریر سرِ فہرست ہے جس کے خود پروردگار ہی کو گھٹا گھا کر دینِ بیعت ان  
بنا دیا گیا۔ اسی خود پروردگار نے داری کے ہر جان نے امت کی اکثریت  
کو اس قدر گھٹا کر امت چکرا گئی کہ اسی حقیقت کی طرف منظرِ اسلام  
علامہ محمد قتال نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

توہمِ تصوف شریعتِ کلامِ قتالِ عجم کے چبڑی تمام  
حقیقتِ خرافات میں کھو گئی یہ امتِ روایات میں کھو گئی

اسلام کا سبیل اپنے پرچہ پائی کے ایک مذہبِ دین ...  
دینِ خانقاہی اس کی اسلام نے نشانہ کیا کھنٹی پورے کرتے دفر اور ...  
آب و تاب کے ساتھ وجود میں آگیا ہوا اگرچہ بہت پرکشش و اقرب

تھیں اور جانبِ نظر سے لیکن اسلام نہیں رہا دینِ تن آسانی اور  
شکم پروردگار نے جو عظمت میں گھوٹے ڈھڑا دیئے والے عربیے اور  
جانباز مجاہدین کی نسلیں کو جہاد و مذکائی کی مردانہ شہیدوں سے عزم  
کرنے انھیں حج و نشین، گدے نشین اور سجادہ نشین مجاہد بنادیا۔  
عقابِ آسمان کی فضاؤں میں چھپٹ کر شکار کرتے ہیں اور گدے مردہ  
اجسام کو اپنی روزی کا ذریعہ بناتے ہیں۔ دینِ خانقاہی کیم پرستاروں  
اور اس کا پرچار کرنے والوں نے انجام کار عقابوں کے بال و پر نرج  
کو انھیں رفعت پروردگار کی صفت سے محروم کر دیا۔ آہستہ آہستہ  
جہاں یعنی جہاں بانی اور جہاں گیر کے منصبِ جلیل پر قائم ہونے  
والی قوم آسمانِ عروج سے تعزیت میں آگئی اور طاقتور اقوام نے  
ان میں سے اپنے اپنے غلام بن لئے۔ حصولِ آزادی اور دینِ ہدایت  
کی بقا اور تحفظ کے لئے جان و مال کی قربانی ناگزیر ہے مگر اس ایٹھ  
کو کیا کہیے کہ میر و قنبر اور شیر و سنبل سے خائف ہو کر کس قوم  
نے اکالتِ موسیقی منجہاں کو قوالی شروع کر دی۔ ہم مزارِ محمد پر جایش  
لگے نام نہادوں میں ہم اپنا کر جایش لگے۔ یہ حقیقت دینِ قہر کے  
پنجابیوں نے کئی صدیاں گزر جانے کے بعد اپنی تہم کوشتیں یہ



ثابت کرنے میں صرف گروہوں کو کسی نہ کسی طرح اپنے نبی کو نہ صرف  
 قبر میں زندہ ثابت کر کے دین قبر کے اکواب و لوازمات کا عقدا کیا  
 جائے بلکہ نبی کو ہر مقام پر حاضر اور ناظر ہونے کا پرچار بھی کیا جائے  
 تاکہ اپنے من پسند اولیاء کو بھی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے  
 لئے حاضر و ناظر ہونے کے جواز کو مضبوط مہاماً قرار دے جیکر رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم کی برحق موت پر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں اپنا اہل  
 فیصلہ نہادیا ہے اِنَّكَ قَبِيْتُ وَلِاَقْبَلُ هَيْتَ تَوَكَّلْ (الزمر: ۱۴)  
 اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے یقیناً مرنے کا ارادہ کیا ہے اور یہ بھی یقیناً  
 مرنے والے ہیں اور قیامت سے پہلے تو کسی بھی مردے کا قبر سے  
 اٹھ بیٹھنا ناممکن ہے کیونکہ اللہ نے نصرت فرمادیا ہے تَحْرِاتُكُمْ  
 قَوْمًا اَقْبَلُتُمْ بَعْثَتُمْ - سورۃ المؤمنون - ۱۶) مرنے والے بات  
 مردے سن سکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس باطل عقیدے کی تردید  
 فرمائی ہے میں کر دی ہے۔ فَلَا خَافَ لَكُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْا اِنَّ اللّٰهَ اَلَدَّیْمُ  
 (۱۷) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے یہی بات  
 سورۃ النمل کی آیت نیز مدینہ دہرائی گئی ہے سورۃ ناطر کی آیت  
 میں کھول کر بتایا گیا ہے وَهَآ اَلْعَصَا اَلَمْ نَبْعَثْ فِيْهَا اَلْفِیْقُوْا  
 سے نبی آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں مدون ہیں قرآن  
 کی ان صریح نصوں کے خلاف من مانی تاویلات کر کے ان کے حق میں  
 باتیں کہہ سکے اگر کر دینا کے تمام کتب خانے بھر دیے جائیں تو بھی قرآن  
 کی صرف ایک آیت کے مقابلے میں یہ باطل کا طوفان ہونچا اور  
 تمام عالم اسلام کے علماء بھی کیوں نہ قرآن کی من چاہی تاویل کرتے  
 تھا ذکر میں قویہ اتحاد باطل مقصود ہوگا قبر خواہ نبی کی ہو یا ولی کی  
 زندہ کی ہو یا کسی مرد صالح کی اگر اس کے گرد عبادت کا مانا بانا ہوا  
 جائے تو یہی دشمن دشمن اور بدعت ہو جائے گی لہذا امت کی کثیر  
 آباد کو شخصیت پرستی اور عبودیت پرستی کی لعنت سے نکال کر خالص

اللہ اور رسول کے فرمودات کی روشنی میں زندگی بسر کرنے کے ڈھنگ  
 کی طرف سے اسے کی سعی ہر مسلمان پر فرض ہے ابن عباس رضی اللہ  
 عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں کو  
 طعن قرار دیا ہے جو قبروں کی زیارت کرتی ہیں اور ان لوگوں کو  
 بھی ملعون قرار دیا جو قبروں میں مسجدیں بناتے اور قبروں پر چراغاں  
 کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت والے  
 خطبات میں سے ایک میں یہ بھی فرمایا کہ لعنت ہو یہ دو نصاری  
 پر اللہ کی جھڑپ نے اپنے انبیاء کی قبر کو مسجد گاہ بنالیا یہ حدیث  
 اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ لوگوں کو  
 دین قبر سے ہٹانے کے لئے ضروری یہ ہے کہ قبر میں مردے کو مردہ ہی  
 کہا اور مانا جائے۔ اگرچہ ای ایک قرآنی حقیقت کو منوالا جائے تو  
 نظام خانقاہی کا تمام ظلم ہو تر باقوت جائے گا۔ قبروں پر پڑوس  
 اور سیکے کم ہوتے ہوئے ختم ہو جائیں گے۔ غیر اللہ کی نذر میں نہ  
 چادریں پڑھاؤں اور دیگ دیگ پنگیوں کا غیر اسلامی نظام درجہ  
 برہم ہو جائے گا۔ تن آسانی سے شکم پر دہی کے دھماکے پر ضرب  
 پڑے گی اور حیب لوگوں کو یقین ہو جائے گا کہ جن کو ہم میت قرار  
 دے کر ان کی نماز جنازہ ادا کر کے قبروں میں دفن کرتے ہیں وہ  
 کچھ بچ کے مردہ ہیں اور نہ مردے قرآن قیامت سے پہلے نہیں  
 اٹھیں گے تو پھر کون عقل کا اندھا ہوگا جو ہڈیوں کے ڈھانچوں کو  
 نذرینا زمین کر کے شہر خورشید کا رخ کرے گا۔ جو لوگ اپنی زندگی  
 میں مشکل کشا حاجت روا قاتل کشتیگر اور غوث فریاد کس  
 نہیں تھے تو مرنے کے بعد ان میں یہ صفات کیسے پیدا ہو سکتی ہیں؟  
 ہمارا مردہ مرنے کے بعد اگر اس قدر نافع بخش زندہ بن جاتا  
 ہے تو اسے کفناؤں کا سپرد خاک کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی پابری  
 حدیث ایمان کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ کفناں صاحب خالق حقیقی



سے بدل کر کیا خالص حقیقی کا میرا قبر میں ہیں؟ (نہ تو یا لہذا)  
سے کنوئیں میں تو نے نصف کو جو دیکھا بھی کر گیا دیکھا  
اور سے ظالم جو مطلق تھا مقتید کر دیا تو نے

بخاری کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں  
نہیں دعو کے مقام جنت ابو دوس سے بھی اسلی و افضل مقام  
(وسید) میں زندہ میں یعنی مدینہ والی قبر میں نہیں۔ حدیث کے  
مطابق شہداء کی رو میں جنت میں سبز پوشے والے قابول میں ہیں  
قرآن و حدیث نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ ہر مرتے والا ہر مرتے میں  
نئے اور قیامت تک باقی رہنے والے جسم کے ساتھ زندہ ہے اور  
اپنی حیثیت کے مطابق ان کے اس یا عقیف کا دور گزار رہا ہے یہی اسکی  
قبر ہے اور ان کے ساتھ عذاب بھی دیا جاتا ہے۔ ان کے عذاب قبر و عقیف  
سے زمین والی قبر میں مردے کو زندہ بلکہ سمیع اور بصیر ہوا کرانے کے  
لیے ہے۔ حدیث میں ہے کہ پہلے اپنے نبی کو مدینہ کی قبر میں زندہ ثابت کیا  
جائے جن کے بارے میں قرآن سوت کا اٹل فیصلہ مناجح ہے نبی کو اللہ  
کی طرح حاضر ناغور سمیع اور بصیر ثابت کرتے کے لئے قرآن کے خلاف  
ایسی چوٹی کا زور لگا دیا گیا کہ کبھی کسی دھوکہ کشی ہے جو مقصد ہر مومن  
دین قبر سے جس کو چاہو قبر میں زندگی عطا کر دو اور اس کے گواہی  
دیو والا (MATHA 667) کا ناما بائیں ڈالو لیجئے پو تو گور سے  
یہ قبر ہے۔ یہ جس قدر ہے یہ یا بائیں ہیں۔ یہ عرش صاحب ہیں  
جو وہی محل ہے۔ تمنا ان قبروں کے کہ کوئی قیمت نہ ہو کہ یہ بہت نامیر  
میں یہ صاحب اولاد عطا کرنے میں ایسا ہے یہ نہیں رکھتے یہ حضرت  
وہ مال پہلے دنیا میں عرق ہو کر مر جانے والوں کے رات اٹھتے  
کہ ان کے جسم ہمارا میں روح ڈال کر زندہ کر دیتے ہیں ان کی  
حیثیت ہمارے لگا پہنچا تے ہیں۔ اللہ لاکھ کہے ہیں زندہ دیتا  
ہوں میں موت دیتا ہوں میں کجا سے حضرت جی بھی خدا سے کم

ہیں کیا۔ اسی لئے تو تصوف کا مشہور نام یہ ہے کہ

”طاہریت نبوت سے اوجھا مقام ہے“ گویا یہ کہ نبوت

سے وہی الوہیت کا مقام آتا ہے شاید یہی وجہ ہے تصوف کے  
شیخ علی الدین ابن عربی اندلس نے اپنی مشہور کتاب نفوس المحکم  
میں لکھا ہے ”منا الذی کی بندگی کرنا ہوں اور اللہ میری بندگی کرنا  
ہے“ اس کتاب کے بارے میں علامہ ابن کمال نے اپنے ایک خط  
میں لکھا ہے ”جہاں تک مجھے علم ہے نفوس المحکم میں موائے الحاد  
اور زندہ کے اور کچھ نہیں“ (اقبال نامہ جلد ۱ صفحہ ۴۴) اسی طرح  
عونیاد کی بھی ہوتی اکثر کتابوں میں جو دین پیش کیا گیا ہے وہ دین  
اسلام نہیں اور تصوف ہے جو نہ تو قرآن میں کہیں ملتا ہے نہ  
حدیث میں۔ اس کا نشان دہا ہے نہ جواز بلکہ راجح بات یہ ہے  
کہ جس طرح باہرین معاشیات و اقتصادیات کی طرح ملک اور کی توجہ  
پر متوجہ نہ ہو سکے اسی طرح تصوف کی توجہ میں ایسی اتفاق نہیں  
ہے اور اگر ہم اپنی تحقیق کو بائیں دلی سے پیچھے لے جائیں تو ہمیں یونانی  
نفسے اور یونان اسرف کے مفکرین اور صوفیوں کی دیکھنے میں  
میں زینوٹا میں (ZENOPLANE) ۵۹-۵۸-۵۷-۵۶-۵۵-۵۴-۵۳-۵۲-۵۱-۵۰-۴۹-۴۸-۴۷-۴۶-۴۵-۴۴-۴۳-۴۲-۴۱-۴۰-۳۹-۳۸-۳۷-۳۶-۳۵-۳۴-۳۳-۳۲-۳۱-۳۰-۲۹-۲۸-۲۷-۲۶-۲۵-۲۴-۲۳-۲۲-۲۱-۲۰-۱۹-۱۸-۱۷-۱۶-۱۵-۱۴-۱۳-۱۲-۱۱-۱۰-۹-۸-۷-۶-۵-۴-۳-۲-۱

یونانی نام اور علامہ صوفی و صحت الوجود کے نظریے کا بانی زیادہ مشہور ہے  
اسلام کی حقانیت کے بارے میں تصوف باطل نہیں ہے اگر اسلام  
میں تصوف ہوا تو سب کو اجماعاً امین اور ترجیح تا بعین میں سے کوئی دشمنی  
کہلاتا اسی تصوف کے اسلام میں راہ پاک کوئی کوئی اللہ و رسول  
میں کاش اللہ شریعت اور طریقت یعنی ظاہری اسلام اور باطنی  
اسلام پھر دین حق میں ہر شے کو کھٹے کھٹے جائے لکھ دیاں تک  
کہ بدعت بھی وہ جنہوں میں بدعت گئی ایک بدعت محمدؐ (اچھی بدعت)  
اور ایک بدعت نبیؐ (یعنی بدعت) یہ ایسا ہی ہے جیسے کہا  
جائے اللہ شراب اور مٹی شراب... الخیر اس تصوف کو لے لیا



نے نہ صرف اللہ کی وحدت کے تصور کے بلکہ رسالت کو بھی تسلیم کر دیا  
قرآن کو مشکوک قرار دیا اس طرح ایک اللہ، ایک رسول، ایک قرآن،  
ایک حرم اور ایک نسبت کا ذمہ جاریہ نظریہ ثواب پر امتثال بن کر رہ  
گیا۔

تصوف کی طرح ولایت بھی غیر قرآنی اصطلاح ہے تو یہ بحث  
کی طرح کوئی منصب ہے اور نہ ہی اولیاء کا کوئی مخصوص گروہ ہے  
جس میں علوم شامل نہ ہو سکیں نہ ہی کوئی اس گروہ کا کوئی مخصوص لباس  
یا وضع قطع ہے ولایت اور ولایت خدا لک اللفظ میں نہ صرف  
کے معنی ولایت کے معنی میں کارسازدی، نصرت، حکومت، رفاقت  
اور اہم غلو، ذلی اور والی اسی سے ہیں نیز کے ساتھ ولایت  
کے معنی میں ملک یہ لفظ قرآن میں نہیں آیا البتہ زیر کے معانی  
دو مقامات پر آیا ہے۔ اول جہودۃ الکہف آیت ۴۴ اور آیت  
۴۵ میں اللہ نے غیر اللہ کو کن کن معانی میں ولی اور اولیاء بنایا قرآن  
کے مطابق سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے یعنی جس کے کچھ پر  
تجلی پڑے جس کی ہدایت پر عمل کرے جس کے معقول کئے ہوئے عقول  
بہرہوں قواعد قوانین اور ضابطوں کی پیروی کرے جس کی رہنمائی پر  
امداد کرے البتہ سمجھئے کہ وہ صحیح راستہ بتائے والا اور غلطی سے بچانے  
والا ہے جس کے بارے میں آدمی یہ سمجھے کہ میں دنیا میں خواہ کچھ بھی  
کر رہا ہوں وہ مجھے اس کے برے نتائج اور آخرت کے عذاب سے  
بچائے گا اور جس کے بارے میں آدمی یہ سمجھے کہ وہ دنیا میں مافوقی  
سطح پر طریقوں سے اس کی مدد کرتا ہے۔ انات و معائب سے  
اس کی حفاظت کرتا ہے اسے دھوکا دلاتا ہے، اولاد دیتا ہے  
بیماریوں کو دور کرتا ہے، بیماریوں پر لگتا ہے اور ہر طرح کی حاجات  
پوری کرتا ہے۔

المیہ یہ ہے کہ عوام رسالتی اور اندھی تہذیب کے قائل

میں اور علماء و تحقیق و جستجو کی مشقت سے کبھی گمراہ نہ ہوئے تفصیل  
اور دراز کار پتھوں میں الحجہ کو ایک دوسرے پر کفر کے فتوے صادر کر کے  
میں معروف ہیں۔ دین کے اندر ہوائے نفسی کو اس قدر آزادی ملی  
ہوئی ہے کہ جس کا بھی پناہ ہے کسی پرانی قبر کو جھاڑ پونچھ کر یا کسی  
قبر کو سجا کر اسے کر کے پانچ پچاسات گیسے بہر رنگ کی چادریں چڑھا  
کر چند مجاہد بٹھا کر کچھ ڈھول بیٹھے والے ایک آدھ قرآن یا سنی جا  
کر پلاؤ کی دیگ بانٹ کر قبر کے اندر سرگے کو زندہ کر کے۔۔۔  
مشکل کشائی کا حجت والی اور الوہیت کا دھندہ شروع کر دیا  
ہے اس طرح ایک حرم کا ثبوت ہوا اور خیراتیں پھیلنے لگیں حرم  
وجود میں آگئے البتہ بیل کی ہڈی ڈال دینی اور رات چوگنی ترقی  
کرتی پہلی گئی قبر میں معراج خلافت بن گئیں اور مسجدوں کے مہتمم  
لوڈ اسپیکروں سے لہر چننے کر انہی بتوں کے نقیب بن گئے۔

مگر خیریت کی چیز بتاؤ کافر جو بھڑکے جیہات کا تو کافر  
کو ایک میں لائے کہ تو کافر جھکے آگ پر بہر مسجد تو کافر  
مگر مومنوں میں کشادہ ہیں راہیں

پریش کیں شوق سے جس کی چاہیں

بنی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں اماں کا دست نہی سے پڑھائیں  
مگر دل پہ رات تندیں چھائیں شہیدوں سے جا بٹکے مانگیں دعائیں  
نہ تو یہ ہیں کچھ نخل اہل سے آئے  
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان بگاڑے

(.... حالی)

مگر کوئی اللہ کا بت نہ دینا حق واضح کرنے اور حق تسلیم دیا  
کرنے کے لئے مگر یہاں تھا ہے تو اسی دینی حقائق کے مجاہدوں کی  
افواج شرک کے کیل کانٹے سے لیس ہو کر آگے بڑھتی ہیں، جماعتان  
دین قبور اپنی پوری کوشش کے ساتھ داعی حق کی رنج کشی کرنے



میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ علم اپنی اور پرانی کتابیں پھولی ٹھولی کر کر کر کے انبار لگا دیتے ہیں۔ عوام مسیو سے عداوت اندھا ہندہ از قیاب من ذلک اللہ کے چھپے ہوئے ہیں اور یوں دین قہور کے گرد و قفار کا احصار پچھلے سے بھی کہیں زیادہ مضبوط ہو گیا ہے۔ عوام کی سب سے بڑی کمزوری قہور سے ہجور کی اندلاطمی ہے علمائے دین کی حالت زار یہ ہے جو اللہ نے قرآن میں بیان کی ہے: اھنوں نے دین کو مکر سے مکر سے گردیا اور ہر گز وہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی پر خوش ہے۔ "قرآن اللہ کا کلام ہے اور اس میں کسی بھی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ قرآن کی ایک ہی آیت کا انکار کر دیا جائے تو یہ سارے قرآن کا انکار ہو گا۔ لہذا تاریخ کی وابستگی کے لئے ہر دورے قرآن کا مطالعہ کر کے بعد از بحث مولفوں سے متعلق آیات پیش کی جاتی ہیں۔ آئیے دیکھیں ہمارا معبود حقیقی "اولیاء پر اپنی روشنی کیسے ڈالتا ہے۔

اللہ کے سوا مقصدی کوئی دلی خواہ نہیں۔ اس کے سوا مقصدی کوئی مددگار نہیں۔ اللہ ہی ایمان والوں کا دلی ہے۔ وہ انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے اور مجبور نے انکار کیا۔ دش اختیار کی ان کے لویا دشیا طین ہوتے ہیں جو انہیں اپنے دشمن سے نکال کر اندھیروں میں لے جاتے ہیں۔ شیطان انہیں اپنے اولیاء سے تر فر دہ کرتا ہے ان سے سمت درد، اگر مومن ہو تو مجھ سے درد۔ اللہ ہی کا مقصد دلی اور ناصر ہونا کافی ہے۔ اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دلی بنانے والا کھیلے خسارے میں ہے۔ عباد اولی صرف اللہ، اس کا رسول اور ایمان والے لوگ ہیں۔ اسے نبی کہہ دیا گیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو دلی اختیار کروں۔ اگر تجھے کوئی مصیبت آپڑے تو اللہ کے سوا اس کا پھانسنے والا کوئی نہیں۔ لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو اللہ کے سوا قابل ٹھہرا کر ان سے ایسی ہی عیبت

کرتے ہیں جیسی اللہ سے ہوتی چاہیے۔ ٹھوسے والوں کو انکار کر دو کہ حشر کے روز اللہ کے سوا کوئی اور ان کا دلی اور خسار شہانہ ہو گا۔ کہہ دو: کیا ہم اللہ کے سوا دوسروں کو پکاریں جو ہمیں نفع پہنچان سکتے ہیں نہ نقصان؟ جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے آتا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور اس کو چھوڑ کر اولیاء نہ بناؤ۔ ہم تیرا عین کو ایمان پہننے والوں کے اولیاء بننا دیتے ہیں۔ ایک گروہ نے ہدایت کو اپنا لیا اور دوسرا گروہ جھٹلنے لے اللہ کو چھوڑ کر شیاطین کو اولیاء بنا کر کھا کھا کر ان پر گمراہی برتی ہے۔ اسے نبی کہہ دو میں اپنے نفع و نقصان پر بھی اختیار نہیں رکھتا نہ ہی میں اپنے اوپر سے مصیبت کو ہٹا سکتا ہوں نہ ہی میں نیل جاتا ہوں۔ جن کو تم اللہ سے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں نہ اپنے آپ کی وہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں وہ تمہاری ہی طرح کے بندے ہیں۔ اپنے اباؤ اجداد اور بھائی بندوں کو بھی اپنے اولیاء نہ بناؤ اگر وہ ایمان کے مقابلے میں انکار کا رویہ اختیار کریں۔ ایمان والے مرد واد ایمان والی خواتین ایک دوسرے کے لویا و عریں۔ جان لو کہ اولیاء اللہ وہ ہیں جن پر کوئی خوف نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ دہمخیز رہے ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے کے بعد اللہ سے ڈر کر برا بھلا سے بچنے لگے۔ جو لوگ اللہ کے شریک ٹھہرا کر ان کی پیروی کرتے ہیں وہ محض ایک گمان اور باطل عقیدے کے پیروکار ہیں۔ اللہ کے علاوہ کسی اور کو مدد کے لئے نہ پکارو جو کچھ نفع دے نہ نقصان، اگر تو نے ایسا کیا تو تیرا شمار ظالموں میں ہو گا۔ اللہ کے سوا کوئی مصیبت کو ہٹانے والا نہیں، کوئی بھلائی کو دے دے والا نہیں۔ اسے بتی! آپ کا بھوکا ڈھالوں کی طرف نہ ہونے پائے ورنہ آپ کو لوگ چھوٹے گی اور آپ کی کوئی مدد نہ کی جائے گی۔ اللہ کے سوا آپ کے اور کوئی اولیاء نہیں۔ اللہ ہی سب سے بہتر حفاظت کو فرماتا ہے



کے سوا کوئی نہ جس قدر اولیاء بنا کر رکھے ہیں وہ اپنے لئے بھی  
 اس قدر نقصان کے مالک نہیں • اللہ کو چھوڑ کر تمام دیکھو  
 جس میں لوگ پکارتے ہیں وہ کسی بھی شے کی خالق نہیں وہ تو  
 ان کے لئے ہے ان میں زندگی کی کوئی شے نہیں • ان میں سے کوئی ایک  
 اللہ کے لئے ہے کہ انہیں بچائے گا • قیامت کے دن شیطان گروہ  
 جو دنیا والوں کا بلی ہوگا • شیطان کا اندوہ اپنی گول پر چڑھے گا  
 اس کے لئے ہیں اور وہ سرور کہ بھی اللہ کی ذات و صفات میں شریک  
 ہے • اللہ کے سوا کسی کو دیکھ کر ہمارا نہ بناؤ • اللہ کے سوا  
 کوئی اور کو نہ پکارو • وہ علامت زدہ • علیہ السلام کا گروہ اور ذیل  
 اللہ کے سوا کوئی • اللہ کے سوا کسی اور کو شریک نہ کرو • وہ نہ سمجھیں  
 جس سے وہ مکر کے علامت ہو کہ جہنم میں پھینک دیا جائے  
 • اللہ و قیام کا کائنات چلانے کے لئے کسی مددگار اور شیطانی  
 کی ضرورت نہیں • ہدایت اللہ ہی کی ہے اور جو گمراہ ہوا تم اس  
 کو نہ روکو • وہی اللہ مرشد نہ پاؤ گے • اللہ کے سوا مخلوق کا کوئی خیر  
 یا برکت دہندہ نہیں اور نہ ہی کسی اور کو اپنی حکومت کے اہتمام  
 کے لئے میں شامل کرتا ہے • ولایت یعنی بادشاہی صرف اللہ کی  
 ہے • اللہ کے سوا کسی اور کو بھی شامل کرنے کی مثال ایسی ہے  
 جسے وہی آسمان سے گھرے اور اسے پرندے ایک کر لے جائیں  
 • جو اسے ایسی جگہ لے جا چھینے جہاں اس کے پرچے نہ جائیں  
 • اللہ کے سوا جسے بھی پکارا جائے باطل ہے • اللہ کے سوا جو  
 شیعوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ سب مل کر ایک مسکھتی  
 چیز بن کر رہیں تو نہیں کر سکتے اور اگر مسکھتی ان سے کوئی چیز چھین  
 لے جائے تو یہ اس سے چھرا نہیں سکتے • اللہ کے سوا اپنا  
 اپنے والا کوئی نہیں • اللہ کو چھوڑ کر وہ سرور کو سب پرست بنائوں  
 کی مثال مگر ہی کے گھر کی سی ہے جو کہ گھروں میں کمزور ترین گھر

ہوتا ہے • اگر اللہ تمہیں مصیبت میں ڈالنے کا ارادہ کرے  
 تو کوئی تمہیں بچاؤ نہیں دے سکتا اور اگر وہ تمہیں اپنی رحمت سے  
 نوازنا چاہے تو اسے کوئی رکاوٹ نہیں • یہ لوگ اللہ کے سوا کو  
 اور کوئی اور مددگار نہ پائیں گے • کیا انہوں نے اللہ کے علاوہ  
 کوئی سفارشی ٹھہرا لئے ہیں • خواہ وہ کسی شے کے مالک نہ ہوں  
 اور نہ ہی عقل رکھتے ہوں کہ وہ کشفاعت ساری کی ساری فقط  
 اللہ کا حق ہے • جو لوگ یہ آواز کریں کہ اللہ ہمارا رب ہے پھر اس  
 پر استقامت کا ثبوت دیں اور اسی بات پر چلے رہیں ان کے  
 اولیاء دنیا میں خوشی سے تھکتے ہیں اور آخرت میں • جو لوگ اللہ  
 کے علاوہ دوسرے کو اولیاء بناتے ہیں اللہ ہی ان پر نگرانی ہے  
 اور اسے پتہ • آپ ان پر دیکھیں نہیں • کیا انہوں نے اللہ کے  
 سوا اولیاء بنائے ہیں • کوئی تو بس اللہ ہی ہے • اللہ ہی  
 قابل تعریف و حمد و ثناء ہے • جسے اللہ گمراہ کرے اس کا سنبھالنے  
 والا اللہ کے بعد کوئی دلی نہیں • اللہ کے سوا جنہیں یہ لوگ پکارتے  
 ہیں وہ کسی شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے • زمین و آسمان میں  
 جتنے بھی سب اپنی حاجات اللہ سے مانگتے ہیں • اسے پتہ •  
 ایک ہی اللہ کو اپنا مددگار بنائے • جہاں پر وہ دوسرے کو اللہ کے  
 لئے مقابل نہ لے لے • شیطان کے اولیاء سے لڑو • شیطان اپنے  
 اولیاء پر دھکی کرتا ہے تاکہ یہ تم سے چھٹ کر رہیں • انبیاء  
 نے مصیبت بیماری اور اولاد کے حصول کے لئے طیس اللہ کو  
 ہی پکارا • ظالموں کو دائمی عذاب دے گا • اللہ کے سوا کوئی اولیاء  
 ان کی مدد نہ کر سکیں گے • ظالم لوگ ایک دوسرے کے اولیاء ہیں  
 اور اللہ متقیوں کا دلی ہے • اس دن جب القرآن لوگوں کو گھیر  
 لائے گا اور ان کے ان معبودوں کو بھی جن کی آج یہ اللہ کو  
 چھوڑ کر بندگی کرتے ہیں پھر وہ ان سے پوچھے گا • کیا تم نے











جیسا کہ دیکھا گیا ہے وہی اللہ تعالیٰ نے جس کی کائنات میں وہ پیدا کیا گیا ہے۔  
 کہ اللہ کے گھروں (مساجد) میں ہی اللہ وسعد اللہ شریک کے ساتھ  
 اسی کے بندہ اس کی عبادت کے لئے لکھیں چنانچہ خالق کی برکت میں مخلوق  
 کے ہموں اور ان کی عبادت میں مشغول ہو کر رہیں اور اللہ تعالیٰ خوشنما اور  
 دیدہ زیب کعبوں اور گھرؤں کی نائن کو آج کوئی غیر معمولی چیز سمجھنے  
 کے بجائے مسجد کے سماعت کے لئے دروازے کیلئے کیا جاتا ہے بلکہ  
 یہ عقائد سن کر انہیں اس مساجد سے نکل کر مرادوں اور مسلمانوں گھروں  
 اور عوامی اجتماع کی جگہوں تک وسعت پائی ہے اور اس کو عین دین  
 اور یا عین فیہ برکت سمجھا جاتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا اور اسے اسطرح  
 اور دینداری کے لئے بنایا اور پھر ان چیزوں میں لکھیں اس کے خلاف  
 کوئی اور تہذیب تھی۔ کوئی پوشیدہ اور کوئی بانی نہ شائع ہوا اور ان کے خلاف  
 اور اب تو اس پر ان کے مشرک اور بت پرستوں کے خلاف کفایت ملانی ہے۔  
 اور ہر باری مسجد کو متبرک میں یہ لفظ نہ پھیلے تو پورے ہندوستان  
 میں شور مچا ہو گا کہ متعدد نہیں تھے وہیں کے مہاراجا دنیا سے جدا گئے  
 اجتماع میں نہ ہوئی (زیادتی اپنی جگہ ایک حقیقت) لیکن گھر کی مساجد  
 کو جو متعدد ہیں میں سمجھ کر لیا گیا ہے ان کے خلاف کوفہ والا کوئی  
 نہیں۔ اللہ کی کتاب پر لکھا ہے: **وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ**  
**أَحَدًا** (اور مسجدیں اللہ کا گھر ہیں پس اللہ کے سوا کسی اور  
 کو مت پکارتو) اس کے برعکس مساجد میں غیر اللہ کی پکارتیں لگتی رہیں  
 ان کو دیکھ کر دل پر بھیجنا ہے۔ مگر وہ کہ لکھیں میں اللہ تعالیٰ جانتا ہوں اس کے معنی  
 کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا جو کہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ  
 اور عبد الرحمن نام کے لوگوں کے ہاتھوں انجام پاتا ہے۔ اس لئے  
 اپنے معبودوں کے خلاف کہنے کی کما ضرورت ہے۔ یہ ہیں ایمان اور  
 عیسائیوں کے اصل معبود اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو عیسائیوں کو پاہل جیتے  
 دیکھو اور اس کے خلاف اپنا علم اور دہشت اور اپنی طاقت استعمال کرتے کے

یہ ہے اس کی حالت اعتدال ہے کہ یہ ہوا عاموں میں رہا اور دین کا نام  
 کہ کفر و شرک کی نشو و نما ہے اور اس کی تبلیغ کرنے والوں کی طرف ان کی  
 آیت کے اندر کج گھر و شرک پر مبنی روحانی بنیادیں لکھنا  
 میں ہے لیکن یہ عقیدہ لکھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہی علی اللہ علیہ  
 وسلم ہی عالم الغیب ہیں اور یہ کہ آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور اپنی امت کے  
 تمام اعمال کا بھی مشاہدہ فرما رہے ہیں اور ان کے تمام حالات سے باخبر  
 ہیں۔

قرآن وحدیث کا روشنی میں اس حوالے سے جو دعائیں ملتی  
 آتی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کائنات میں  
 کوئی دوسرا عالم الغیب نہیں ہے اور نہ ہی اللہ کے علاوہ کوئی ایسی شئی  
 ہے جو کائنات کی ہر چیز کے بارے میں پوری طور پر علم رکھنے والی ہو اور  
 دریا لکھیں ہے۔ کیونکہ جب اللہ کے علاوہ اس کائنات کو خالق مانا  
 اور نہ کر کوئی اور نہیں ہے تو پھر اس کا پوشیدہ باتوں کا عالم کوئی اور کیسے  
 ہر شئی میں ہے اور ہر شئی کے تمام حالات کے تمام احوال سے باخبر مناسب  
 کی سمجھا اس پر کچھ دیکھنا اور سب کے بارے میں جانتا ہے اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ  
 البصیر اور البصیر جو اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں جن میں کوئی دوسرا  
 ہرگز نہیں ہو سکتا اس لئے کہی بھی مدعی ایمان کو یہ نہیں دیتا  
 کہ وہ کسی ایسے عقیدے کو دین اسلام سے مغرب کرے جس کا قرآن و  
 حدیث میں نہ صرف یہ کہ کوئی تصور نہ ہو بلکہ اس کفر و شرک پر مبنی ہو چنانچہ  
 اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ان عقائد کو حق جانا اور ان کی تبلیغ کرنا  
 گویا اپنے ہاتھوں پر شہادت دینے کے لئے جہنم میں جانے کا تیار ہونا ہے  
 اس سلسلے میں سب سے پہلے قرآن کی آیات ملاحظہ فرمائیں۔

۱۱۔ **قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ۚ الْعَلَمَاتُ وَالْأَرْضُ الْعَلِيَّةُ إِلَّا اللَّهُ**  
**وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُنْصَرُونَ** (کہہ دو کہ آسمان اور زمین کی  
 پوشیدہ باتوں کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور انہیں تو بھی نہیں







ان آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کوئی رسول بھی نہایت خود علم غیب نہیں رکھتا بلکہ منصب نبوت و رسالت پر فائز کرنے اور اس کی انجام دہی کے لیے غیب کو بخانیاتوں کا علم ضروری ہوتا ہے اللہ تعالیٰ بے دریغ وحی اس کو عطا فرماتا ہے۔

(۱۰۸) وَلَيَقُولُنَّ إِنَّمَا هَذَا إِلَهٌ قَدِيمٌ قَدْ جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ ۖ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ الْوَحْيُ وَأَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ

"اور (کافر و مشرک) کہتے ہیں کہ اگر تم (اپنے واپس کی نبوت میں) ایک چھوٹا (پتاؤ) یہ دیکھ کر قیامت و عذاب کی کتب پروردگار کی (اسے یقیناً) کہہ دو کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے، میں تو واضح ظہور و دستاویز والا ہوں (الملك: ۲۵، ۲۶)"

(۱۰۹) يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَسَاحِقِ أَيْ آتِ الْفِتْنَةِ قُلْ لَا أَتْلُو حَتَّىٰ يَأْتِيَ الْبَيِّنَاتُ ۚ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ الْوَحْيُ وَأَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ

"(اے رسول!) یہ لوگ تم سے (قیامت کے بارے میں) پوچھتے ہیں کہ وہ کھٹری کب وقوع پذیر ہوگی؟ (اے پیغمبر!) اس کے بارے میں بتانے کا تم کو کیا فائدہ ہے؟ اس کا سننا (یعنی رات بھر ہونے کا وقت) تم سے بے درد و کارہی (معلوم) ہے۔ تم تو صرف خبردار کو کہتے ہو اے ہر اس شخص کو جس کا ذہن کھٹکا ہے (النور: ۲۱)۔"

(۱۱۰) قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ الْوَحْيُ وَأَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ

ان یا قول سے جہاں اس کے بارے میں پوچھتے ہیں۔

عَلِيمُ الْغُيُوبِ وَالشَّهَادَةُ فَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ

"وہ غیب اور ظاہر کا جاننے والا ہے، چنانچہ وہ پاک ہے اس شرک کے جو یہ کہتے ہیں" (المومن: ۹۱، ۹۲)

(۱۱۱) وَمَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يُلَاحِظَكُمْ عَلَىٰ الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُخَبِّرُ مَنِ مَّزَّيْلُهُ ۚ وَإِنْ تَوَلَّوْا يَنْصَرِفْ عَنْكُمْ وَهُوَ خَبِيرٌ ۖ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ الْوَحْيُ وَأَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ

(ال عمران: ۱۸۰)

(۱۱۲) وَمَا كُنْتُ بِكَافِرٍ أَوْ فَاسِقٍ ۚ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ الْوَحْيُ وَأَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ

(۱۱۳) قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ الْوَحْيُ وَأَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ

(۱۱۴) قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ الْوَحْيُ وَأَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ

(۱۱۵) قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ الْوَحْيُ وَأَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ

(۱۱۶) قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ الْوَحْيُ وَأَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ

(۱۱۷) قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ الْوَحْيُ وَأَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ

(۱۱۸) قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ الْوَحْيُ وَأَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ

(۱۱۹) قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ الْوَحْيُ وَأَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ

(۱۲۰) قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ الْوَحْيُ وَأَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ

(القصص: ۲۶، ۲۷)











بیخبر معلوم ہوتا ہے جس کی آپ کو خبر نہیں اور یہ کہ میں آپ کے لیے  
شہر سب سے ایک صحیح خبر لے کر آیا ہوں (سورۃ النمل)  
دوسرا کون ہے۔ پھر وہ سارا واقعہ بیان کرتا ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک پیغمبر (داؤد علیہ السلام)  
کا ذکر فرمایا جن کو سب سے پہلے سرورہ دکھائی گئی۔ پھر ان کو زندہ کر کے  
پلو چھا کہ اس کی کیفیت میں کتنا وقت گزارا (۱۰) پھر انہوں نے دیکھا ایک  
دن یا اس سے بھی کم وقت۔ (سورۃ البقرہ: ۲۵۹) اسی طرح اصحاب  
کہتے تھے اللہ نے ایک بندہ سے کتنے جتنوں لے کر اپنے دیوان کو  
پجاسنے کے لیے ایک قادیان پناہ لی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو کئی سال  
تک اسی قادیان میں ٹھہرا رکھا یہاں تک کہ اس وقت کا سکہ بھی تبدیل  
ہو گیا۔ جب اللہ نے ان کو عینہ سے بیدار کر کے اٹھایا تو انہوں نے بھی  
ایک دوسرے کو یہی بتایا کہ ایک دن یا اس سے کچھ کم وقت اس حالت  
یعنی عینہ میں گزارا ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ اللہ ہی جانتے والا ہے  
کہ ہم یہاں کتنا عرصہ رہے ہیں (سورۃ النمل) فرمیں اللہ ہی مخلوق  
کو قدرت کے مطابق یا جس قدر چاہتا ہے ظاہر اور پوشیدہ باتوں  
کا علم حاصل کرتا ہے لیکن عظیم غیب مجبوراً کسی اور کو حاصل نہیں، علم  
الغیب کی صفت صرف اللہ رب العالمین کے لیے مخصوص ہے جیسا کہ  
مذکورہ بالا قرآنی آیات واقعات سے ثابت ہو رہا ہے۔

یہاں ایک نکتہ اور بھی تاملی غور ہے کہ قرآن مجید بعض غیر اللہ  
کے لیے عالم الغیب ہونے کی نفی پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ حامل طور پر انبیاء  
علیہم السلام اور انہی حوالے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بالکل  
واضح اور مدونہ الفاظ میں صراحت کرتا ہے کہ وہ عالم الغیب نہیں  
ہیں تاکہ لوگ ان کو الوہیت و ربوبیت اور دیگر صفات الہی میں شریک  
نہ سمجھ سکیں۔

دیگر انبیاء کی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی غیب کا صرف

اتنا ہی علم دیا گیا جو رسالت کا حق اور کونسلہ کے لیے کافی تھا۔ چنانچہ  
جہاں قرآن نے کسی آدمی کے لیے عالم الغیب پر کئی ترید کی وہاں  
خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے اللہ نے ان کو اپنے بارے  
میں اس شخص کے ذکر سے کما حقہ دیا ہے تاکہ یہ بات بالکل صاف ہو جائے  
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں ہیں۔ درج ذیل احادیث  
سے بھی اس کی وضاحت ہوتی ہے۔

۱۱) مختلف احادیث میں صحیح اسناد کے ساتھ عائشہؓ

سے روایت بیان کی گئی ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ! میں نے  
یَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِ قَوْمِكَ كَذَبَ، ثُمَّ كَسَرَتْ وَمَا تَعْلَمُ  
فَقُلْ مَاذَا تَكْتَلِمُ عَنْهُ؟ "کہ جس نے مجھ سے یہ کہا کہ وہ (نبی  
صلی اللہ علیہ وسلم) جانتے ہیں کہ لوگ کیا ہونے والا تو اس نے  
جھوٹ کہا" اور پھر سورۃ لقمان کی آیت تلاوت کی اور کوئی شخص نہیں  
جانتا کہ وہ کون کیا کام کرے گا۔ (بخاری کتاب التفسیر) یا اس طرح  
کہ وَمَنْ وَعَدَ أَنْتَ بِمَنْ يَكُونُ فِي قُلُوبِ قَوْمِكَ  
أَعْلَمَ عَلَى اللَّهِ الْغَيْبُ وَاللَّهُ يَقُولُ قَوْلًا يَعْلَمُ  
مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبُ إِلَّا اللَّهُ

"جس شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ کون  
کیا ہوئے والا ہے اس نے اللہ پر بہت بڑھوٹ پاندھا" (بخاری)  
قرآن اپنے سورۃ النمل (۱۰) کے آیت پر کہ مَا كُنَّا نَعْلَمُ لَكَ الْغَيْبُ إِلَّا مَا عَلَّمْنَاكَ  
عَلَانِہ كُنَّا نَحْسِبُكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ

۱۲) ابن العنہ سے عبد اللہ بن عباسؓ کے شاگرد عمار سے روایت  
بیان کی ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت  
کیا کہ قیامت کب واقع ہوگی؟ عمار نے عرض کیا کہ یہاں پر  
کب ہوگا؟ میری بیوی اس سے ہے اس کے روتھکا ہوا لڑکے؟ آج کے  
دن جو کام میں تھے کیا ہے وہ مجھے معلوم ہے اس میں کیا تبدیلی ہو



یہ تو میں جانتا ہوں کہ کب لایا گیا ہو تھا میری موت کہاں ہو گئی؟  
اس کے جواب میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سرورجہ انقلاب کو یہ  
آیت سموت فرمائی

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ الْسَاعَةِ وَيُرْسِلُ الرِّسَالَاتِ  
وَيُخَوِّفُ مَنِ اسْتَعَارَ وَمَا تُدْرِي نَفْسٌ شَأْنًا تَكْتَسِبُ  
عِندَ اللَّهِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَمْرٍ يُفْعَلُ عِندَ اللَّهِ عَظِيمٍ

بیش اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے اور وہی یا کوش برساتا ہے  
اور بھیجتا ہے کہ (معاذ کے) میت میں کیا ہے اور کوئی نفس نہیں جانتا کہ  
وہ کون کیا کام کرے گا اور کون نہیں جانتا کہ کس سرورجہ میں پائے موت آئے گی۔  
بیش اللہ ہی جانتے والے اور پورا ہے (نقلان ۱۲۰)

۳۔ اسی طرح ہماری دوسری مشہور روایت (صحیح بخاری) بھی  
اسی کا تائید کرتی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ صحابہ کرام کی مہر و گھنٹی  
جبرائیل علیہ السلام نے اس کی شکل میں آفرین صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت  
سے سوال کی تھیں۔ صحابہ میں سے ایک سوال یہ تھا کہ قیامت کب آئے گی؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا مَتَا الْقَسْوُورُ لَعَنُوهَا بِأَعْيُنِكُمْ  
مَنْ اسْتَأْذَنَ رُكُوعًا جِئَا سَمَاسًا كَيْفَ هِيَ (خود سوال کرنے والے  
سے زیادہ سوال سے میں کچھ نہیں جانتا) پھر قیامت کی نشانیوں کا بیان کیا اور  
فرمایا کہ قیامت غیب کی، ان پانچ باتوں میں سے ہے جس کو اللہ کے سوا  
کوئی نہیں جانتا (پھر سورۃ انفلاق کی مذکور بالا آیت تلاوت کی۔

(کتاب الایمان)

مذکورہ بالا قرآنی آیات اور روایات امور بات کا کھیت  
ثبوت ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے تو کوئی عالم الغیب ہر ملک ہے اور نہ  
حاضر و حاضر بھی ہو سکتا ہے۔ اب اگر قرآن و حدیث کی اسی وضاحت کے  
بادجہ بھی کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی

عالم الغیب ہیں اور اپنی اُمت کے احوال کا مشاہدہ کرنے کے لیے حاضر  
ناظر ہیں تو ایسے فرد اگر وہ کے کفر و شرک کی کئی شک شبہ کی کیا کیا کشتی  
بالہرہ باقی ہے؟

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے  
میں ماہر و ماهر کا عقیدہ رکھنے والوں کو سورۃ  
الانزاب کی دو ذیل آیت بات تک پہنچنے

تنگے کا سپہارا

جس کو یہ رنگ اپنی بدعت کے ساتھ دیکھتے۔ کہ یہ قوس پر چاہتے ہیں اور  
اور اس طرح ایک واضح حکم آیت کہ غلط معنی سے کہ قوس پر تو ان کے  
ظہر پہنے ہیں

آیت یہ ہے۔ لَا يَتَّبِعُ الْبَقِيَّةَ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ  
بِأَمْرٍ وَمُتَّبِعًا

کہ "اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کو گواہی دیتے  
والا، خوشخبری میں لے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے" (الانزاب  
۵۴) اسی تسلسل کو جاری رکھتے ہوئے اگلے آیت میں فرمایا قَدْ أَرْسَلْنَا  
إِلَى الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا فَكُفُّوا عَنْهُمْ أَوَّاهًا وَبَغِيًا  
أَوْ يَتَّبِعُوا الْحُكْمَ الَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ فَكَفُّوا عَنْهُمْ أَوَّاهًا وَبَغِيًا  
أَوْ يَتَّبِعُوا الْحُكْمَ الَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ فَكَفُّوا عَنْهُمْ أَوَّاهًا وَبَغِيًا

یہاں آیت کے حوالے سے مذکورہ بالا گروہ یہ دلیل پیش کرتا ہے  
مناہ (گروہ) وہ جو کتابت میں نے کسی معاملے کا مشاہدہ کیا جو اور دیکھ  
کر اس کی گواہی سے پہنچا تو اللہ کے فیصلے صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کے  
احوال دیکھ رہے ہیں تبھی ترقی امت کے دن کو دہی دیں گے اس سے  
ثبوت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں۔ بلکہ قیامت پر  
استدلال اس گروہ کا علمی اور جہالت پر مبنی اور قرآن پر انحراف باندھنے  
کے مترادف ہے۔ کیونکہ اسی آیت اور اس طرح کی دوسری آیات میں نبی  
صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہی دینے کا مفہوم بہت دیکھتا ہے۔ اس میں تین



طرح کی شہادتیں شامل ہیں جن کو احسن طریق پر پورا کر کے کہ زمرہ داری  
بی مصلی اللہ علیہ وسلم پر ڈالی گئی ہے۔

اگر تو قول شہادت ایچہ کہ اللہ کو یقین تھا ان معانی اور اصولوں پر  
بنی ہے، ان کی حقانیت اور صداقت کا شاہد (گواہ) ہونا ضروری ہوا اور  
پورے دنیا پر واضح کر دے کہ وہی حق ہیں اور ان کے خلاف نہ کچھ ہے  
باطل ہے اور ان میں کمی ہوتی تو ان کو پورا ذکر سے بتایا جاتا شہادت  
یعنی یہ کہ نبی پر جن دعوت کو لوگوں کے سامنے پیش کر سکے اور مرداری دانی  
گئی ہے اس کو وہ سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر اپنے ملک سے  
ظاہر کرے۔

ملاقات خودی شہادت یعنی قیامت کے دن جب اللہ کی حالت  
قائم ہوگی، اس وقت ہی اللہ کے اذن سے اس بات کی شہادت سے  
کہ جو پیغام اس کے سپرد کیا گیا تھا اس نے کمی کمی و بیشی کے بغیر لوگوں  
تک پہنچا دیا تھا اور وقت حق کی جو قدر داری اس پر ڈالی گئی تھی اس کو  
اس نے اپنے قل و قل سے لوگوں پر پوری طرح واضح کر دیا تھا یہ ہے  
شاہد کا اہل مہنوم میں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہادت کے  
مقام پر فائز کر کے کئی بڑی زمرہ داری بنی مصلی اللہ علیہ وسلم پر ڈالی ہے۔

اور نبی اللہ کے ہی مصلی اللہ علیہ وسلم سے دین تو میری یعنی اسلام کی  
قولی اور عملی شہادت دینے یا بالفاظہ دیگر منصب رسالت کی ذمہ داری  
سے چھوڑ کر ہوتے ہیں کسی قسم کی کوئی گواہی نہیں ہوتی جیسا کہ اللہ اپنے  
رسول مصلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرماتا ہے **يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ  
بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ إِنَّكَ تَفْعَلُ  
حَسْبَ بَلِّغْتَهُ مِنْ سُلْطَانِهِ** کہ اے رسول یعنی اللہ علیہ وسلم  
(لوگوں کے سامنے) بیان کر دو جو کچھ تیرے رب کی طرف سے تم پر نازل  
ہوا چاہے اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو کیا آتم اللہ کا پیغام پہنچانے (منصب  
رسالت کا دائرہ) اے قلمبر ہے۔ (الانبیاء: ۶۵)

تجسسی تو ایک قیامت کے روز یہ شہادت دے سکیں گے  
کو میں نے لوگوں پر حق واضح کر دیا تھا اور بعد اس میں اللہ کی حالت  
لوگوں پر قائم ہو گیا اور وہ یہ ذکر کہہ سکیں گے کہ اللہ کی پیغام ان تک  
نہیں پہنچا تھا۔

اس شہادت کے ان لوگوں کے لیے معنی ہے کہ نبی کریم کی شہادت  
علیہ وسلم قیامت کے دن اللہ کے سامنے لوگوں کے اعمال کی گواہی  
دیں گے اور اس سے یہ دلیل اخذ کر سکتے ہیں کہ نبی مصلی اللہ علیہ وسلم  
حاضر و ناظر ہیں لوگوں کے اعمال کو دیکھ رہے ہیں کیونکہ بغیر دیکھا آخر  
گواہی کیسے دیں گے لیکن قرآن و حدیث کی تعلیمات کا دوسرا  
عقیدہ قطعی غیر اسلامی اور شرکیہ پر مبنی ہے۔ لوگوں کے اعمال کی گواہی  
کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرا نظام فرمایا ہے اسی طرح کے لیے  
اس کے فرشتے ہر انسان کا تمام اعمال کا تیار کر رہے ہیں۔ چنانچہ قرآنی  
آیات ملاحظہ ہوں۔

**وَرُفِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُخْبِرِينَ صَافِينَ  
بِمَعْرِفَتِهِمْ وَيَقُولُونَ يُوسُفُ مَا كُنَّا نَعْلَمُ  
بِقَوْلِكَ وَنَخَافُ مِنْكُمْ فَتَرَى الْقَائِلِينَ  
بِمَعْرِفَتِهِمْ صَافِينَ** اور جب اعمال کی کتاب اٹھو تو ان کی ہر گئی جانے کی تو تم  
خبردار کو دیکھو گے کہ جو کچھ اس میں لکھی ہوگی اس سے اور بے غور  
گئے اور کہیں گے کہ ہمارے جانکار یہ نبی یہ کسی کتاب سے کہہ کر اور ان  
کوئی بھول یا بڑی بات ایسی نہیں ہے جو اس میں لکھی ہوئی نہ ہو جو  
کچھ انہوں نے کہا تھا وہ سب آپ کے سامنے حاضر ہوں گے اور نہ  
وہ کسی علم نہیں کہ ہے **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** (البقرہ: ۲۵)

**وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ  
وَلَنْ نَجْزِيَ الْإِنْسَانَ مِنْ خَلْقِهِ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ**  
اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ وہ کس طرح  
سوچتا ہے اور ہم انسان کو اپنے خالق سے نہیں ڈرتے۔ (البقرہ: ۲۵)



الْمُسْلِقِينَ مِنَ الْيَسِيرِينَ وَحِينَ الشَّمَالِ تَبْعِيْدُهُ مَنَّا  
يَلْخُظُ مِنْ قَوْلِي الْاَلَا كَيْدُهُ رَقِيْبٌ عَتِيْدُهُ

اور ہم نے انسان کو یہ کیا ہے اور ہم جانتے ہیں جو تم کو  
اس کے دل میں گزرتے ہیں اور ہم (تو) اس سے اس کی تدبیر سے  
بھی قریب ہیں۔ یہ (وہ کوئی کام کرتا ہے تو) وہ لکھنے والے  
اور ہر انسان کے (دائم یا موقت) ہوتے ہیں لکھنے والے ہیں  
کوئی نقص اس کی قیادت سے نہیں نفع (جس کو محفوظ کرے) کے  
یہ ایک حاشیہ شش گزریں موجود نہ ہو۔ (نور: ۱۷-۱۸)

اور اسی طرح انسان کے اعمال کی گواہی خود اس کے اپنے  
اعضا سے بھی لی جائے گی۔ اللہ عزوجل ہے۔

الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُغْلَقُ أَفْوَاهُهُمْ  
وَنُصَدِّدُ عَنْهُمْ لِسَانَهُمْ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ لَا يَخْلَعُونَ

آج اقیامت کے دن (ہم ان کے منہوں پر پھر لگا دیں گے  
اور پھر زبناں) (مگر سب سے بڑھ کر ان کے) (ہم سے بیان  
کریں گے اور ان کے زبان اس کی گواہی دیں گے) (یسین: ۵۷)

عَلَىٰ اِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاُفْوَاهُ  
اَيُّهَا سَمْعُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ  
وَقَالُوا لَوْلَا ذَهَبَ لِيَمَّ شَهِدٌ نَّحْمُ عَلَيْنَا قَدَائِلًا  
اَفْلَحْنَا اَللّٰهُ الَّذِي اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ

یہاں تک کہ جب وہ اس جگہ کے پاس پہنچ جائیں  
گے تو ان کے کان، ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے اعمال  
کے بارے میں گواہی دیں گے اور وہ اپنے ہم جن کی کھالوں سے لپیٹی  
اور اس سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی دی کہ وہ  
وہ جواب دیں گی کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے کیا دیا تھا عطا فرمائی  
ہے جس نے ہر چیز کو نطق بخشا ہے۔ (الحج: ۲۷-۲۸)

ان آیات سے یہ بات پابرجا ثبوت کو پہنچتی ہے کہ انسانی  
اعمال کی گواہی متعین فرشتوں کے ذریعے مرتب کی جائے گی والی  
اعمال ہمارے پر مشتمل کتابوں سے لوہائے گواہی اور ان کے علاوہ  
انسانی جسم کے مختلف اعضاء بھی اللہ کے حکم سے قوت گواہی  
دیں گے۔ اس کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ لیکن جہاں تک انبیاء  
علیہم السلام کا تعلق ہے ان کی ذمہ داری اعمال پر گواہی دینا  
نہیں بلکہ اسی معاملے پر گواہی دینا ہے کہ دعوت حق کو گواہی  
پہنچا دی گئی تھی۔ اس سلسلے میں قرآن کی آیات بالکل واضح ہیں۔  
فرمایا۔

يَوْمَ نَكْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَا  
اَكْبَحْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ  
الْغُیُوْبِ ؕ

جب دن اللہ (تمام) کافروں کو کھمبے کا پھران  
سے پوچھے گا کہ تمہارا کفر کیا تھا تو وہ کہیں گے کہ ہم  
نہیں جانتے تھے علم نہیں تو ہی غیب کی باتوں کو جاننے والا ہے۔  
(المائدہ: ۱۰۹)

اس آیت سے تمام انبیاء علیہم السلام سے عالم الغیب  
اور مآثر و ناظر ہونے کی نفی ہوتی ہے۔ اسی طرح جب علیہ السلام  
سے عیسائیوں کی گمراہی کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ وہ بھی اس  
سے برأت کریں گے۔

وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ لِيٰعِیْسٰی اٰمِنْ مَّرْسَلًا  
قُلْتُ لِلنَّاسِ اٰتَمَحْذُوْنِیْ وَ اٰتَمِیْ الْهٰنِیْنَ مِنْ دَعْوِیْ  
اَللّٰهُ قَالِ سَمْعًا مَّا یَكُوْنُ لَیَّ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ بِیْ  
یَحْسٰی اِنَّ کُنْتَ تَعْلَمُ فَعَلًا عَلِمْتَهُ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ  
نَفْسِیْ وَلَا اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ ؕ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ



الْغُيُوبِ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا  
الْإِسْمَ سُبْحَانَ الَّذِي فِي يَدَيْهِ الْمَصِيرُ ۚ وَكَنتَ عَلَيْهِمْ مُشْهِدًا  
وَمُتَّ فَبِهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنتَ الْوَارِثُ  
عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۚ

”جب اللہ نے اسے لاکر لے بیٹھا ابن مریم یا نبی کریم  
سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا (اپنا) معبود نہ کرو۔  
وہ جواب دیں گے کہ (ماں باپ) تو ایک ہے میرے لیے کب یہ  
مناسب تھا کہ میں اسی بات کہتا ہوں گا مجھے کچھ تو نہیں ساگر میں نے  
ایسا کہا ہے تو کچھ معلوم ہوتا کہ تو جانتا ہے جو میرے نفس میں ہے اور میں  
اسے جانتا ہوں تو اسے نفس میں ہے۔ بیشک تو بڑا غائب کا جاننے  
والا ہے۔ میں نے ان سے کچھ نہیں کہا مجھ اس کے حق کا تو نے مجھے  
حکم دیا (وہ یہ) کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا اور تمہارا (سب کا) رب ہے  
ہے اور میں جب تک ان میں رہا ان (کے حالات) پر گواہ رہا ہوں  
ان کے حالات سے باخبر رہا ابھر جب تو نے مجھے اٹھایا تو تو ہی  
ان کا نگران تھا اور تو میرا پروردگار ہے (الماائدہ: ۱۱۵-۱۱۶)  
یہ آیات اس مسئلے میں بالکل واضح ہیں کہ انبیاء علیہم السلام  
انہوں کے اعمال پر گواہ نہیں ہوں گے۔ رہا یہ سوال کہ وہ گمبایات  
فانگہ ای دیں گے تو اس کا جواب اللہ کی کتاب کی آیات ہی سے  
ملاحظہ ہو:

وَكُنَّا بِكَ بِشِيرَةٍ أَوْ نَكِيرًا ۚ أَتَىٰكَ الْبُرْهَانُ  
مُشْهِدًا عَلَىٰ آثَارِهِ وَكَانَ الرَّسُولُ عَلَىٰكُمْ  
شَهِيدًا ۚ

”اور اسی طرح (اے مسلمانو!) تم نے تم کو امت و سبط  
بشایہ تہ تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول اللہ علیہ السلام تم پر  
گواہ ہوں (البقرہ: ۱۴۳)

فَلْيَكُنْ أَزْوَاجُنَا مِن كُلِّ امْتِعَةٍ شَهِيدًا  
وَجُنَّاهُ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ۚ ۝۱۳۱  
کیا ہو گا جب ہم ہر امت میں ایک گواہ کو لوں گے اور (اس رسول) تم  
کو ان لوگوں پر بطور گواہ لائیں گے (النساء: ۴۱)

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ  
مِمَّنْ أَنْخَسِهِمْ وَجُنَّاهُ بِكَ شَهِيدًا ۚ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ  
”اور جس دن ہم ہر امت میں خود انہی میں سے ایک  
گواہ ان پر کھڑا کریں گے اور (اسے ہی) تم کو ان لوگوں پر بطور  
گواہ لائیں گے (النحل: ۸۹)

پس معلوم ہوا کہ قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
کی کوئی نہ حیثیت کے لحاظ سے اس کو اسی سے مختلف نہ ہوگی جس  
کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو اور ہر امت پر شہادت  
دینے والے کو اہل کفر و طغیان نے لگا اس لیے ان کو اسی اعمال کی مان  
لی جائے تو پھر ان سب کا ماحر و ناظر ہونا بھی لازم آئے گا جب کہ  
اس کے برعکس اگر یہ گواہ صرف اس امر کی شہادت دینے کے لیے  
طلب یا کھڑے کئے جائیں گے کہ اللہ کی بات اس کی مخلوق تک  
کما حقہ پہنچا دی گئی تھی تو یقیناً اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم  
بھی ہی کو ای دیں گے تاکہ لوگوں کے اعمال کی کوئی وجہ نہ صرف یہ  
کہ قرآن و حدیث کی تعلیمات کے فلاح بات ہے بلکہ اللہ کی  
مشارکت میں شریک بھی ہے۔

قرآن میں بیان کی گئی اس بات کی تائید ان احادیث سے  
بھی ہوتی ہے جو بخاری و مسلم اور دوسری کتب حدیث میں مختلف  
صحاہ کرام سے مروی ہیں اور جن میں مشترکہ طور پر بیان کیا گیا ہے کہ  
قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض لوگوں کو دکھائیں گے کہ وہ  
لائے جا رہے ہیں مگر وہ آپ کی طرف آئے گے بجائے جہنم کی







یہ جاننے اَلْحَمْدُ سَر کو اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار نظر  
ہونے کے لیے دلیل بنایا جاتا ہے تو بصر اَلْحَمْدُ تَر وَا سے  
پورے قوم نوح مانسرو تاخر قرآن پائے گئے اور وہ بھی اَلْغُفْرٰن کا نور  
مشرک ہونے کے۔

ظاہر ہے اللہ کی کتاب اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی  
تکذیب اور توہین پر فتح ہونے والی یہ صورت حال صرف انہی  
کے لیے تامل تسلیم ہو سکتی ہے جو دین داری کے بارے میں  
دکان داری کا کھتاؤں کا کھیل کھیتے ہیں۔ دنیا کی عزت اور

شہرت کا حصول جن کا مقصد زیادت ہے اور آخرت کی قربانی  
کے احساس سے جن کے دل خالی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس دام  
ہم رنگ زمین کی مکاری اور ہلاکت خیزی سے آپ بندوں کو محفوظ  
فرمائے اور انہیں ہمت اور توفیق دے کہ وہ فرقہ واریت  
اور شخصیت پرستی کی سطح سے بلند ہو کر خالص ہدایت الہی کے  
جھبے سے سرشار قرآن و حدیث کا مطالعہ کریں اور ان کی  
تعلیمات پر فوری و فحرج کر کے دنیا و آخرت میں ان کی برکات سے  
سبح معنوں میں فائدہ حاصل کر سکیں، آمین!



## خصوصی اپیل

تحریکی ساتھیوں سے گزارش ہے کہ وہ ڈاکٹر عثمانی رحمۃ اللہ علیہ  
کے سوال و جواب کے سلسلہ کو کیسٹوں سے تحریر میں منتقل کر کے  
جیل اللہ میں اشاعت کے لیے ارسال فرمائیں۔ اگر تحریر صفحات اور کشادہ  
الفاظ میں ہو اور جوابات میں بیان کی گئی قرآنی آیات و احادیث کے  
حوالہ جات بھی مندرج ہوں تو یہ خصوصی تعاون ہوگا جس کے لیے سبکی  
شکریہ کے مستحق اور عنہما اللہ ماجور ہوں گے۔ انشاء اللہ

(ادارہ)



# فتاۃ الفاتحہ خلف الامام

تحریر: حکیم محمد رمضان + رحیم یار خاں (ترجمہ محمد پناہ)

وَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعُوا لَهُ  
اَلْهُتَمُ اَسْعَلَكُمْ مِّنْ خَدَعَتِهِ

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور  
غاموش رہو تاکہ تم پر دھم کیا جائے۔ (الاعراف: ۲۰۴)

روایۃ الدجالین کا بیحد احسان ہے کہ اس نے اپنے فرقہ

بنی علی اللہ علیہ وسلم پر کتاب ہدایت ازل قرآن اور قیامت

کتاب اس کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ اس کی عملی تشریح و توضیح کے

لیے بنی علیہ السلام کے قول و عمل کو صحیح احادیث کی شکل میں

ہم تک پہنچا دیا۔ اس طرح طالبانِ ملاحی کے ایمان و عمل کی

حفاظت کے لیے مکمل و مستحکم اہتمام فرمایا۔ اس مقصود الہی

کو سمجھنے اور اس حقیقی نعمت کو پہنچانے والا ارجمند زمین کا

ہفتا بھی شکرا و اگر سے کم ہے۔ لیکن انہوں نے اس لازمی کثرت

نے مالک الملک کی اس نعمت کی قدر ہی نہ کی۔ دنیا کی رنگینیاں و

رائے ہی نے مصروفِ آخرت کے جذبہ کو ماند کر دیا اور غلط

کے ساتھ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے دوری ہوئی گئی

یہاں تک کہ آخرت کی فلاح و کامرانی کی بار بار دعا و احبار و یہاں

کو سوپ دی گئی ان کی ہر بات کو تنقید سے بالاتر سمجھ کر منکر بن

اللہ کا درجہ دے دیا گیا تو یہاں احبار و یہاں کو یہود و نصاریٰ

کی طرح اس پر ایمان رسول اللہ بنا دیا گیا۔ (ملاحظہ ہو سورہ توبہ ۴۴)

یہ گروہ جس کو عظیم دین سے آہستہ ہو کر تھم و تسبیح کے ذریعہ

انسانیت کی دھنکی نکالتی اور اگر ناخدا شیطان کی کارئی دار سے

کھٹا مل چوکر دنیوی جاحلوت اور شان و شوکت کا دیوانہ ہو گیا۔

دین کو پیش بنا کر اس کو دنیا کے حصول کا ذریعہ بنایا اور پھر اس

کا دیوار کے فروغ کے لیے لوگوں کو گروہ و گھل میں تقسیم کر کے اللہ

کے راستہ سے جھٹکانے لگا۔ بالآخر یہ ایمان کی نعمت کے

ناقدر سے بقیہ پرستی کے شائق و تعویذ و گنڈے کے معتقد

اور شرک و بدعات کے ریا گروہ بنی اور جسکی اختلافات کے

بندھنوں میں بخش کہ باجم دست و گریہاں ہو گئے! رفیع مدین و

عدم رفیع مدین! میں بالآخر اسی فروغ کے دیگر مسائل جو قوموں

اولیٰ سے چلے آ رہے ہیں اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔

ان کی تردید و تائید پر مسالکی گروہ بندی کا بنیاد رکھی گئی۔ رب حکیم

نے ان ہی فریب کار ایمان و یہاں سے ہوشیار رہنے کی

ہدایت فرمائی ہے (سورہ توبہ ۴۴) اور کفر و پرہیزی کی اس

جاہلانہ جھڑکاؤ دشمن کو احمقیاں کرنے سے روکا ہے (الہکرم)



کا دعویٰ ہے۔ سورہ اعراف کی صریح تفسیر بالاکتبات میں اللہ رب العزت کا فرمان ہے کہ "جب قرآن پڑھا جائے تو اسے خود سے سنو اور غامض دہو تاکہ تم پر حکم کیا جائے۔" ظاہر ہے کہ انصاف استماع (خاصوش رہنے اور غور سے سننے) کا یہ حکم عمومی ہے اور اس میں کوئی استثناء نہیں ہے۔ اہل حدیث فرقہ کے علمائے متاخرین کا یہ قول کہ قرآن فی الصلوٰۃ اس حکم سے مستثنیٰ ہے قطعاً بے دلیل ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل سطور میں صحیح احادیث سے ثابت کیا گیا ہے۔ یہ پہلا اس سلسلہ میں صحیح احادیث پیش کی جاتی ہیں اور بعد میں صحابہ و تابعین اور علمائے کبار کے فتاویٰ پیش کئے جائیں گے جن سے حق طور سے یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ ہماری رکعات میں تو قرأت خلف الامام ممنوع ہوئے پر سلف صالحین کا اجماع ہے اور سبکی رکعتوں میں بھی اکثر مقتدی علی قرأت کے خلاف ہیں :-

عن ابی موسیٰ اشعرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبنا فبین من متقنا وعلمنا مصلواتنا فقالوا اهلکم فارقموا صفوفکم ثم یومئذکم احدکم فاذ اکثر فکتبوا

یعنی مقتدیوں میں اہل حدیث کے امام اپنا تیمم علیہم صلوٰۃ (ترجمہ: اور تمہارا قول الجہود یومئذکم فاحدکم فان اللہ متبعکم قالوا فاذ اکثر القراءۃ فاستمعوا لکذا انصتوا لکم توہموت۔ قال احمد بن حنبل اجمع الناس علی انہما ذکران فی الصلوٰۃ) (فتاویٰ ابن تیمیہ جلد دوم صفحہ ۳) ترجمہ: اور تمہارا قول میں صحیح ہے کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو تم اس کو کان لگا کر سنو اور خاصوش رہو تاکہ تم پر حکم کیا جائے۔ احمد بن حنبل نے کہا کہ یہ بات پر اجماع ہے کہ اس آیت کا شان نزول مسلوٰۃ ہے۔

۳۱-۳۲۔ یہ بھی گروہ بندی کا نتیجہ ہے کہ اللہ کے بندے آج اپنے اپنے ملک کے اکابرین کے پرستار بن کر رہ گئے اور ان کے دفاع میں لگے کہ اللہ کے وقار اور اس کے دین سے بے پرواہ ہو گئے، آیات و قرآن اور احادیث صحیحہ سے بے اعتنائی برتی جاتے لگی اور حیدر صاحب پرنسپل ہائو ملین دما نہ ہونے لگی۔ ہر چند کہ خالص اللہ کے دین کی دعوت دینے والے توحید و صفت رسول کی مخالفت پر ہی اپنی توانائی صرف کرتے ہیں اور ان اختلافی مسائل میں الجھنے سے گریز کرتے ہیں لیکن جب ایمان و عقیدہ سے عادی اعتصام سنت کے جھوٹے دعویدار یا یہ پیشہ ور ماہرین فریب کاری اور افتراء پر وازی میں حد سے سمجھاؤ نہ کرنے لگیں تو پیچھے موصول کی رہنمائی اور ان کے اطمینان قلب کے لیے قرآن و حدیث کی روشنی میں ان مسائل پر علم اٹھانا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ ان نراشی مسائل میں سے ایک مسئلہ التفرکات العاتقہ خلف الامام ہے۔ جہاں کی مندرجہ ذیل سطور میں قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت کی گئی ہے۔

بلاشبہ قرأت سورۃ فاتحہ ہر رکعت میں واجب ہے۔ فریور اور جماعت میں امام پر لکھو اب انفرادی صلوٰۃ میں رکعتیہ ہے کہ صلوٰۃ باجماعت میں مقتدیوں کے لیے سورہ فاتحہ کی تلاوت کہاں تک ضروری ہے اور کیا اس حالت میں عدم تبادلت سے صلوٰۃ واقعی باطل ہو جاتی ہے یا ناقص رہ جاتی ہے جیسا کہ بعض مسلک پرستوں

نے "یہ اور بات ہے کہ اہل حدیث عالم شمولان کا فتویٰ ہے کہ سورۃ فاتحہ پوری صلوٰۃ میں ایک مرتبہ واجب ہے ہر رکعت میں نہیں۔"

ابن الاوطار جلد دوم صفحہ ۱۱۱







کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لوگوں کے اس سے نصیحت حاصل کرنی  
اور پھر وہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرتے تھے؟

(ابوداؤد حلیہ جلد ۱ ص ۱۲۷)

عبداللہ بن ابی موسیٰ مسند میں روایت لکھے ہیں کہ

عبدالرحمن بن نمیر بن اسلم نے اپنے والد سے روایت کیا

ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن

العداء خلف الامام بنی علیہ السلام نے امام کے

پیچھے قرأت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (مسند عبدالرزاق جلد ۱ ص ۱۲۷)

دوسری روایت میں موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ

انما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واھا

یکر و عمر و عثمان بن عفان یحذرون عن العداۃ

خلف الامام بنی علیہ السلام والیہ عمر و عثمان

رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع فرمایا کرتے

تھے۔ (مسند عبدالرزاق جلد ۲ ص ۱۲۷)

جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے منقول ہے پوچھا

"انقر ان خلف الامام فی الظہر والعمی شیئاً فقال

لا کیا آپ امام کے پیچھے ظہر و عمی میں کچھ قرأت کرتے ہیں

تو انھوں نے فرمایا "نہیں"

(مسند عبدالرزاق جلد ۲ ص ۱۲۷)

ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے کہ بن علیہ السلام نے

فرمایا "من کان لہ امام قراۃ الامام قراۃ لہ"

(جو شخص امام کے پیچھے صلوٰۃ ادا کرے تو امام کی قرأت ہمتی

کی قرأت ہے۔) (ابن ماجہ ص ۱۲۷)

اسی مضمون کی ایک اور روایت میں کہ صحابہ کی کثیر تعداد

نے روایت کیا ہے اس کے الفاظ ہیں "من صلی ما خلف

صاحب نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا

عنی تو سوتا تھا کہ مجھے قرآن کی قرأت میں کیوں کھٹکتا ہو رہا ہے

پھر لوگ بنی علیہ السلام کے ساتھ جہری قرأت کے دوران

قرأت کرنے سے رک گئے تب سے آپ سے بات لگنی

(موطا امام مالک ص ۲۹)

ابوداؤد کی تشریح کے مطابق یہ صلوٰۃ الفجر کا واقعہ ہے

جس میں صحابہ کی کثیر تعداد ہوتی تھی لیکن قرأت صرف ایک

شخص نے ہی کی تھی اور اس کو بھی ناپسند کیا گیا پھر جہری رکعت

میں قرأت خلف الامام مطلقاً نہ کر دی گئی (یعنی بنی علیہ

السلام کی حیات ہی میں)

اب سب سے روایات کے سلسلے میں احادیث ملاحظہ ہوں۔

امام مسلم خزان بن حصین سے روایت کرتے ہیں کہ بنی علیہ السلام

صلوٰۃ الظہر پڑھا رہے تھے کہ ایک صاحب مودہ اعلیٰ پڑھتے

گئے تو بنی علیہ السلام نے فارغ ہو کر فرمایا:

"ایکم تداوا یاکم القادی" قال دجل اھا

فقال قد طشت ان یحکم خا لجنہا

(تم میں سے کسی نے قرأت کی تو ایک صاحب نے

عرض کیا میں نے تو آپ سے فرمایا میرا حال تھا کہ تم میں سے کسی

نے مجھ انجین میں مبتلا کر دیا ہے)

(صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۲۷)

یہ روایت ابوداؤد و نسائی وغیرہ میں بھی ہے اس

سے واضح ہو گیا کہ سب میں بھی صرف ایک صحابی نے قرأت

کی اور آپ نے مطلقاً قرأت کو ناپسند فرمایا اور یہ نہیں فرمایا کہ

سورۃ الفاتحہ پڑھ لیا کہ وہ امام زہری اس حدیث کی تشریح







تھے ان میں سے جسے جند کے اسماء کو رکھا یہ ہیں۔ ابو بکر و عمر و عثمان  
علیہ السلام عبد الرحمن بن عوف اسعد بن ابی وقاص عبد اللہ بن  
مسعود ازید بن ثابت ا۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ

عظیم الجمین۔ (یعنی خرمیا بخاری جلد ۶ ص ۱۱۱)

جہاں تک ابوداؤد کی روایت کا تعلق ہے کہ نبی علیہ  
السلام نے فرمایا کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھو یہ حدیث  
بہ حد ضعیف ہے اس کا ایک راوی محمد بن اسحق بن یسار ہے  
جس کے بارے میں محدثین کا آراء مندرجہ ذیل ہے۔

قال المنائی و حنیوہ "لیس بالقوی"

قال الدارقطنی لا یحکم بہ

ابو حنیفہ نہیں

قال ابوداؤد "قد مرای مستنوی"

قال سلیمان بن الیثمی "کذاب"

مسلم بن عروہ یقول "کذاب"

قال مالک "أنظر فی الی و خیال من التراجیلہ

(دیکھو اگر خیالوں میں سے ایک وہاں کو)

اس کے علاوہ ایک راوی محمد بن ایک راوی مکرول ہے جس کو

محدثین کی جماعت نے ضعیف کہا ہے۔ (میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۱۱۱)

ایک راوی یزید بن حمید ہے جو ضعیف بھی ہے اور توری بھی

(میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۱۱۱)

ایک راوی محمد بن سلمہ "ضعیف ہے" (میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۱۱۱)

اس سلسلہ میں اہل حدیث کے امام ابی یحییٰ کے لئے بھی ملاحظہ

ہوئے قرأتیں ہیں فالنور اربع من الطوفین لیکن

الذین ینصون عن القراءۃ مع الامام هم

جمعہ السلف والخلف ومعہم الکتاب

۱۔ بخاری کی مندرجہ بالا حدیث کے راوی سفیان بن

ثیفیہ کہتے ہیں کہ یہ "لیس یصلی وحده" اس کے

لئے ہے جو اکیلے صلوٰۃ ادا کرے۔ (ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۱۱)

۲۔ اس حدیث کا تعلق اس شخص کے ساتھ ہے جو اکیلے

نماز ادا کرے۔ (موطا امام مالک ص ۱۱۱) (صحیح ترمذی ص ۱۱۱)

۳۔ جابر بن عبد اللہ نے اس حدیث کا مطلب بیان کرتے

ہوئے فرمایا "من صلی رکعة لم یقل فیہا یا اہم

القرآن فلم یصل الا ان یکون وراۃ الاسلام"

جس نے ایک رکعت بھی اس طرح پڑھی کہ سورہ فاتحہ پڑھی

اس کی نماز نہیں ہوئی الا یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو (یعنی امام کے

پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا درست ہے)

(ترمذی جلد ۱ ص ۱۱۱) موطا امام مالک باب ما جاز فی أم القرآن

جابر کی اس حدیث کو نقل کر کے امام ترمذی نے فرمایا

"هذا حديث صحيح" (ترمذی جلد ۱ ص ۱۱۱)

کاتب دجی زید بن ثابت کا اس سلسلہ میں سختی فتویٰ

بھی ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں "لا قرأۃ مع الامام

فی کسۃ" یعنی امام کے ساتھ صلوٰۃ میں کوئی قرأت نہیں۔

(صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۱۱)

مندرجہ بالا روایات قطعیت سے ثابت کر دیتی

ہیں کہ جہری صلوٰۃ میں تو امام کے پیچھے قرأت کہنا سب سے بڑا

مقت کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ اپنے مسلک کے دفاع

کے لئے سکھاتے کی ضعیف و مبہم روایات کا سہارا پکڑنا ذہن پرست

و مبہم و دھرمی کا تین ثبوت ہے۔ ساری رکعات میں بھی صحابہ و

انہی جلیل القدر خلف الامام کی مخالفت تھی۔ انہی جلیل القدر

صحابہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے سے سختی سے منع فرماتے



وَالسُّنَّةُ الصَّحِيحَةُ وَالَّذِينَ أَوْحَيْنَا  
عَلَى الْمَوْمِنِمْ كَذِبَهُمْ فَدَخِلُوا فِي  
الْأُتْمَةِ - اس مسئلہ میں نزاع تو طرہیں سے ہے لیکن وہ  
لوگ جو امام کے صحیحہ قرأت سے منع کرتے ہیں وہ چہرہ پر  
خلعت ہیں اور ان کی تائید کتاب اللہ اور صحیح حدیث سے  
ہوتی ہے اور جو لوگ معتدی پر قرأت کو لازم قرار دیتے ہیں تو  
ان کی حدیث کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۲ ص ۳۳۷)

مندرجہ بالا سطروں میں پیش کردہ دلائل پر ثابت کرنے کے

لیے کافی ہیں کہ جبری رکعات میں خلف الامام کسی بھی قرأت کے  
امتناع پر صحابہؓ اور سلف صالحین کا اجماع ہے اور جبری  
رکعات میں بھی اکثریت معتدی کی قرأت کے خلاف ہے۔  
اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ملک کی عینک آنا کر ہٹ دھری  
کی روشنی سے معتد بہرہ ور صحیح موقف کو اپنا یا جائے ورنہ  
اسی دارالاستحسان میں باطل کو حق ثابت کرنے کے پیش رو ثابتین  
کو خوشنما اتفاقاً ہمیشہ ہی ملتے رہتے ہیں! اللہ رب العالمین  
گروہی بندھنوں کو توڑ کر سنت رسول کے امتناع کی توفیق احسن  
محنت فرمائے۔ آمین

میں تاکر وہ دنیا والوں کو بتائیں۔ سورۃ الحج میں آیت۔ عَلِمَ الْغَيْبُ فَلَا يَظْهَرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا  
مَنْ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ... (وہی) غیب کا علم رکھنے والا ہے اور وہ کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا۔ مگر اپنے جس رسول کو  
اصل غیب سے فرمائے۔ (آیت نمبر ۲) علم غیب اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں۔ وہ صرف اپنے رسولوں میں سے جس پر چاہتا  
ہے اس میں سے کچھ ظاہر کر دیتا ہے۔ سورۃ آل عمران میں اللہ فرماتا ہے۔ وَمَا كَانَ لَكَ الْكَلِمَةُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ  
وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْعَلُ مِمَّنْ رِزْقِهِمْ مَنْ يَشَاءُ... اور اللہ تم کو غیب کی باتوں سے مطلع نہیں کرتا البتہ اللہ اپنے  
رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کے لئے چن لیتا ہے۔ آیت نمبر ۱۸۱) سلیم برآ کہ اللہ غیر رسول کو غیب کی اطلاع بھی نہیں کرتا  
صرف اپنے رسولوں کو فقط وہ کچھ بتائے کہ رسالت کی ذمہ داری کو خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کرنے کے لئے ان کو ضرورت ہے باخبر کر دیتا ہے  
سوال: ظاہر نفس کو اپنا معبود بنانے کے متعلق کچھ ارشاد فرمائیں۔

جواب: آج بھی ایمان کے دھیراروں کے اندر ایک طرف کلمہ کا اقرار ہے لیکن اس کے معنی کو صحیح طور پر سمجھ کر اس کے  
تعمیل کو پورا نہیں کر پاتے۔ چنانچہ اگر کوئی مسئلہ جو جملے تو جودل میں آجائے گا جس میں اپنے لئے دنیا کی بھلائی سامنے آجاتی ہے  
وہی اختیار کر لیا جاتا ہے چاہے ایمان کا تعاقب اس کے برعکس ہی کیوں نہ ہو ہم یہی خواہش نفس ہے۔ پھر اللہ کی بات یاد بھی لائی  
جائے یا خود بھی یاد آجائے تو اس کی پروا نہیں کی جاتی۔ یہ گویا اپنے نفس کو جیو دینا لینا ہے۔ اگر کوئی اس کو صحیح سمجھے تو خدا اس کا جزو شریک  
ہے ورنہ گناہگار ہے جیسے ہر گناہگار ہوتا ہے کہ نفس سے غلبہ ہو کر کوئی غلط کام کر لیتا ہے لیکن اس کو برا جانتا ہے باقی جو باطل  
گم ہو جائے اور اللہ اور اس کے رسول کی بات کی اس کی نگاہ میں کوئی وقت نہ ہو اور سمجھے کہ جو میں کر رہا ہوں یہی صحیح ہے تو یہ  
خواہش نفس کی اصلی پیروی ہے اور ایسا شخص مومن نہیں ہو سکتا۔



# مثل آدم یا مثل مرزا

محرور: نقیب اللہ، سکراچی

✓

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا  
أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۚ  
(سورۃ النحل: ۳۶)

”اور ہم نے ہر قوم میں پیغمبر بھیجا (تاکر وہ یہ وثوت  
اٹھائے) کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور طاغوت (جی ہندو) سے  
ایقتاب کرو۔“

چنانچہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے اسی نعرہ میں  
ادا کرتے ہوئے اللہ کے پیغمبر صلی علیہ السلام نے بھی بنی اسرائیل  
کے سامنے کائنات کی ساری سب سے سچی اور اچھی مولیٰ اور پائی  
کوئی کہتے ہوئے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هَذَا  
صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۚ

”بلاشبہ اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے پس اس کی عبادت  
کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔“ (ال عمران: ۵۱)

عسلی علیہ السلام کی زبان مبارک سے یہ مبارک الفاظ  
نکلے ہی بنی اسرائیل تھلا اٹھے، ان کے چہروں کی رنگت بدل گئی،  
طاغوت کے پہاڑی طاغوت کے لیے لڑنے پر تیار ہو گئے اور سچی

دشمنی میں بدل گئی، رشتے اور رملے ٹوٹ گئے، ان کے چہرے کھلے  
اور آواز بے لگام ہو گئی، صادق کو جھٹلایا، طاقت کرنے  
والے بھی غامض نہ رہے۔ وہ اور محترم جنین اللہ نے دینا کی  
خود قتل کر دی تھی کہ پاک اصدیقہ کے القاب سے نوازا تھا، ہدیہ  
طاقت نہیں ہو سکتی بنی اسرائیل نے اللہ کے پیغمبر کو جکھڑ کے سنا یا،  
مگر اللہ کا پیغمبر صبر کا پیکر بن کر سب کچھ سہارا اور حجت میں کھاکر بھی  
وہیں توجید دیتا رہا۔ سچا قیہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے فرقہ کی ایہ  
بات اپنے منہ سے بھی کر رکھی تھی کہ اللہ کے مومن بند سے اپنے لیے  
نہیں بلکہ اللہ کے لیے لڑتے ہیں، جس کی شہادت قرآن دیتا ہے۔  
الَّذِينَ آمَنُوا يَتْلُونَ فِي صَلَاتِهِمْ الذِّكْرَ

”اور مومن اللہ تعالیٰ کے لیے لڑتے ہیں۔“  
وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتْلُوهُ سَبِيلًا طَائُفًا  
”اور جو کافر ہیں وہ کوئی طاغوت کے لیے لڑتے ہیں۔“ (النساء: ۷۶)  
دنیا کے مالک کا تو فرمان یہ ہے کہ شرک ظلم عظیم ہے۔  
إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۚ (انعام: ۱۳)

مگر اللہ کی اس دین میں ایسے لوگوں کی بہت بڑی تعداد ہے اور  
ہمیشہ رہی ہے، حالانکہ اس قیاس کو کوئی اہمیت نہیں دیتی بلکہ  
یا غیاہ روش اختیار کر کے شرک کے شجرِ عبث کو چھلنے اور چھوٹنے کا بیج



نہایت کم ہوتی ہے اور اس کے بلاکت غیر اثرات سے التائیت کو بچانے کے لیے اسے بڑے آگھاڑ پھینکے والے غیر خواہوں کو سب سے بڑا معجزہ تصور کرتے ہیں۔ اس حقیقت کا ثبوت تو اس تاریخی واقعہ سے بھی ثابت ہے کہ تین دنوں اللہ کے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام بھی اسرائیل کی قید میں تھے اپنی دونوں باتا نامی ایک ڈاکو بھی ان کی قید میں تھا اس وقت کے حکمران پہلاطس نے جن کے تواریخ پر جوہر سے کہا کہ آج تمہاری عید کا دن ہے اور کرسٹود کے مطابق میں تمہارے وقت کے جوہر میں سے ایک کو چھوڑنے کا اختیار رکھتا ہوں۔ میری قید میں عیسیٰ بن مریم اور برابرا ڈاکو ہیں بتاؤ۔ اور دنوں میں سے کس کو چھوڑوں؟ پاورے مجمع نے ایک اور فریو کو کہا برابرا ڈاکو کو چھوڑ دیا جائے اور عیسیٰ بن مریم کو بچا لیں وہی جائے (متی: باب ۲۷) گویا ان کے نزدیک شرک و کفر کا فرق نہ تھا، طاعت سے کتنا بگڑا ہو کر اگر واحد کی ہرگز کی شمت دینا، لوگوں کی عزت و آبرو اور مال و دولت بڑا کر ڈالنے سے زیادہ سنگین جرم تھا اور اس کی عزت اگر دن رفتی سے کم ہو جاتی تھی۔ اسی لیے ہی اسرائیل نے ڈاکو کی صفائی کر کے اسے قید سے رہا کر دیا جبکہ اللہ کے پیغمبر کو قید ہی رہنے دیا گیا۔

اس کے بعد ہی اسرائیل کے یہ منصوبہ بنانا شروع کر دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی روح کو ان کے جسم سے کس طرح، کس جگہ اور کس وقت جدا کیا جائے اور اس منصوبہ پر ہی اسرائیل نے کس طرح عمل کیا وہ کیا کچھ تھا، اس بار سے میں اللہ کی آخری کتاب صرف دو عقائد کی نشاندہی کرتی ہے۔ اولیٰ یہ کہ یہود کے قول کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا گیا اور دوسرے یہ کہ عیسا ثقل کے پھٹنے کے مطابق عیسیٰ بن مریم کو صلیب دی گئی۔ قرآن میں ان کے ہی دو عقائد ملتے ہیں جن کا اللہ نے مفر کر دیا ہے کہ ق مّا تَقُولُوا "اور وہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا (جیسا

کہ یہودیوں کا دعویٰ ہے) وَمَا صَلَبُوهُ وَادُّعُوا انہیں صلیب پر چڑھایا (جیسا کہ عیسائیوں نے دعویٰ کیا ہے) وَلَكِنْ شَكَّ لَهَا قَوْلًا "بلکہ معاملہ کو ان کے لیے مستحب بنا دیا گیا (النساء: ۱۵۷)

اس کے علاوہ کوئی قیصر عقیدہ قرآن میں نہیں تھا جیسا کہ ایک کافر ان ہے۔ اِنَّ صُلْحَ الْعُقُلَانِ يَقْصُصُ عَلٰی حَبِیْبٍ اِسْرَآئِیْلَ الْکُفْرَ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ کہ بیشک۔ قرآن ہی اسرائیل کے بارے میں اکثر آئین، احکام اور اختلاف کرتے ہیں، بیان کرتا ہے (النمل: ۷۹)

قرآن سے ثابت ہوا کہ ہی اسرائیل کے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی دو نظریات تھے یعنی قتل اور صلب، ان کی ضعیف موت کا کوئی قائل نہ تھا، جیسا کہ تارانیوں اور مشنریوں کی حدیث کا دعویٰ ہے کہ اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو طبعی موت دی ہے۔ معلوم ہوا کہ ان کی طبعی موت کا نظریہ بعد کی پیروی اور ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نہ کوہ، بالاکرہ کن نظریہ کو مکرر اور پرتکرار الفاظ (وَمَا قَتَلُوْهُ یَقِیْنًا) میں رد کرتے ہوئے اصل حقیقت کی طرف واضح اشارہ فرمایا ہے کہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کَانَ اللّٰهُ عَنِیْزًا عَلٰی کُفْرٰہُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (النساء: ۱۵۸)

"بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھایا اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے"

اس طرح یہ قرآن کریم عیسیٰ علیہ السلام کی طبعی موت کے عنوان سے پیدا ہونے والے تیسرے نظریہ کو جو کٹ دی۔ اور اپنی طرف اٹھانے جانے کے ساتھ عَنِیْزًا عَلٰی کُفْرٰہُمْ کے الفاظ لکھ کر انکے اٹھانے جانے کو ایک خاموشی سے دیکھ رہا ہے



جو غیر معمولی کام کی طرف اشارہ ہے۔

مکلام اللہ کی مذکورہ آیات سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ جو کچھ بھی ہوا، وہ قتل و سلب کے اسی مشہور واقعہ میں ہوا، اسی علیہ السلام کے دنیا میں رہنے کے پہلے باب کو بند کر کے بات کو اسی واقعہ تک محدود رکھنا، قرآن و حدیث سے صحیح معلوم ہوا ہے چنانچہ آیات کو بحث برائے بحث کے لیے آگے بڑھانے کے بجائے اسی واقعہ تک محدود کر دیا جائے تو عیسیٰ علیہ السلام کی طبعی موت کا عقیدہ یہیں دم توڑتا ہے لیکن اگر قرآنی آیات کو تذکرہ کا ذریعہ بنانے کے بجائے ان کے اصل سیاق و سباق اور . . . . .

مشاد روح علیہ السلام کی تعلیمات سے الگ کر کے اس قسم کے جزو عقائد و نظریات کے حق میں نت نئی علمی موثر شکائیوں اور کلامی بحثوں کے ذریعے اللہ کے خوف سے عاری ہو کر محض بغاوت جھڑپ سے اور اس طرح اپنے کسی خاص فوج کی تسکین کے لیے دنگ آمیزی کے طور پر استعمال کرنا مقصود ہو تو شیطان دلائل کی کمی نہیں، وہ دلا یا دم کو سراہ کرے کہ یہ ایک سے ایک دلیل سمجھتا ہے۔

در اصل عیسیٰ علیہ السلام کی حیات و ممات پر بحث کی ابتداء کرنے والے وہی لوگ ہیں جن کے درمیان یہ بحث چلی آ رہی ہے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دینی حیثیت دی جانی چاہیے یا نہیں اور آج بھی ممات عیسیٰ علیہ السلام پر وہی لوگ مصر ہیں جو کہ احادیث نبوی کو کوئی اہمیت نہیں دینا چاہتے۔ ممات عیسیٰ علیہ السلام کے قائلین اور منکرین حدیث و دونوں ایک ہی وقت کی پیداوار ہیں اور یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ جو منکرین حدیث ہے وہ لاف و منکر حیات عیسیٰ علیہ السلام پر لگا اور جو منکر حیات عیسیٰ علیہ السلام کے لازمی طور پر منکر حدیث بھی ہو گا۔ ممات عیسیٰ علیہ السلام کے

قائلین کی اکثریت قتل اور سلب کے مذکورہ واقعہ سے ان کے بیچ لکھنے کی قوت کا حامل ہے لیکن عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ کی طرف اٹھانے جانے کا انکار کرتی ہے۔ جبکہ اس کے برعکس قرآن و احادیث کے واضح دلائل کی روشنی میں چودہ سو سال سے یہ حال استحقاق علیہ السلام ہے۔ یہ امر سوال پر بھی ہلکا سا مستحکم ہے کہ صدیق اکبر ان اہمات عیسیٰ کے قائلین کی طرف سے ایسی کوئی واضح اور مصدقہ نشاندہی نہیں کی تھی جس سے یہ ثابت ہو کر قتل اور سلب کے واقعہ کے بعد عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں زندہ رہے۔

اب انیسویں صدی عیسوی میں اس مشکل پر سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی نے توجہ دی اور یہ قصہ وضع کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام ہجرت کر کے کشمیر تشریف لے آئے تھے یہیں انہوں نے اپنی زندگی کے بقیہ دن پورے کئے اور یہیں موت سے نہ ملتا ہو کر مدح و ثناء انہوں نے اس خطہ میں کشمیر کے شہر محلہ ادرقہ کی نقاشی بھی کر دی ہے۔ لیکن وہ کوئی ایسا ثبوت فراہم کر سکتے ہیں ناکام ہے جس کی تصدیق کشمیریوں سے بھی ہوتی ہو۔ انہیں کشمیر میں کوئی ایسی قبر بھی نہ مل سکی جسے لوگ کسی عیسیٰ کی قبر سمجھتے ہوں تاہم انہوں نے اپنی اس نادر تحقیق کے ذریعے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ سرکاری فکر کے محققان یا رہنما

یہ واضح ہے کہ ان کے نام سے جو قبر مشہور ہے وہ مسیح علیہ السلام ہی کی قبر ہے جن کو شانہ و کبر کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ ملا علی قزوینی ابن احمدیہ "ص ۲۲۸" اس طرح اپنی تحقیق کی اس افشانی منقول پر پہنچنے کے بعد مرزا صاحب "مسیح موعود ہونے کے رد" بیان جاتے ہیں

موجودہ دور میں ممات عیسیٰ علیہ السلام کے پرچارک اہل حق کی حیثیت سے دو گروہ ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں پر دنیاوی



برادر حسن اور اس کا بیٹا قادیانی گروپ۔ یہی دو فرقے ہیں کہ جن میں  
مرسیت احمد خان کے خیالات تقسیم ہو کر پروان چڑھے ہیں۔ یہ لوگ  
اللہ جل جلالہ کو قانون فطرت کے خلاف کام کرنے کی اجازت  
نہیں دیتے۔ اللہ کی سنت انہوں نے خود طے کر لی ہے۔ اللہ کی  
سنت کیا ہے اس کا صحیح جواب کلام اللہ ہی سے مل سکتا ہے  
اور جو نکر کلام اللہ کا جواب ان کی تائید میں نہیں دے سکتا اس لیے اس  
صحت یہ ایک قدم بھی چلنے کو تیار نہیں ہوتا۔ اللہ اپنی وضعی  
سنت اللہ کو ملے کر چھڑھاتے ہیں کہ یہ وہ سنت اللہ ہے جس کے  
تبدیل نہ ہو سکتے کہ ذکر قرآن میں آ رہا ہے۔ اسی نظم و انضام میں یہ قرآنی  
معجزات کبریٰ من پسند عبادتوں میں تبدیل کرنا شروع کر دیئے ہیں  
انسانہ فطرتی مکان ماہرین سے قرآنی معجزات کے ساتھ وہ سب  
کچھ کیا ہے جو کہہ سکتے تھے۔ اللہ سے بے غوثی انہیں کلام اللہ کی  
معجزاتی توحید کا سہارا مل گیا ہے جو محمد علی علیہ السلام کا پورا اور  
صحیح و سالم اللہ کی طرف اٹھا یا جاتا بھی معجزات میں سے ہے۔  
اس لیے یہ بھی ان کے قلم کی زد سے فریج نہکا۔

منکرین حدیث، پروری جوں یا ان کا تعلق کسی دوسرے  
گروہ سے جو انہماک غیثی علیہ السلام پر ان کی دلیوں کا محور و محول  
ان فی اور قانون فطرت ہے اور وہ بھی جو ان کی مرضی کے مطابق ہو۔  
لیکن قادیانیوں کے پاس کے اس کے علاوہ بھی دلائل ہیں۔ یہ  
دلائل اللہ کے قانون کے مطابق ہیں یا نہ ہو یہی ہیں، امام ربیع  
انشاء اللہ دوسری سطح میں بحث کریں گے۔ اس وقت مہرزا غلام  
احمد قادیانی کے دعوئے "شرح مؤثر" پر بات کرتے ہیں۔ ملاحظہ  
فرمائیے:

"غلام احمد صاحب قادیانی نے خدا سے الہام پا کر یہ  
دعویٰ کیا کہ میں مسلمانوں کے واسطے نبی ہوں، علیہ السلام

کچھ مسیح جوں اور ہندوؤں کے لیے کرشن جوں اور  
دوسری قوموں کے لیے ان کا موعود ہوں۔"  
(تسلیم بذلت از مرزا بشیر احمد، ص ۱۱۱)  
ممکن ہے کہ ہندوؤں کے لیے کرشن جوں کے الفاظ آپ کو چونکا  
دیں مگر قادیانیوں کا عقیدہ اس سے بھی آگے ہے۔ مرزا غلام  
احمد کے بیٹے مرزا بشیر احمد اپنی تصنیف کردہ کتاب "تسلیم بذلت"  
میں قادیانیوں کا عقیدہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جہاں ہم حضرت لوح، حضرت ابراہیم، حضرت  
موسیٰ علیہم السلام پر ایمان لاتے ہیں۔ وہاں پادریوں  
کے ذراشت، بدھ مذہب والوں کے گوتم بدھ،  
چین والوں کے کنفیو شس اور ہندوؤں کے کرشن  
علیہم السلام کی رسالت کا بھی اقرار کرتے ہیں اور  
ان کا اسی عزت اور احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں جو  
ایک نبی کی شان میں ہے۔" (ص ۱۱۱)

قادیانی ان تمام احادیث کو صحیح مانتے ہیں جو عیسیٰ  
ابن مریم علیہ السلام کے قرب قیامت نزول اور مخصوص کام  
کو انجام دے کر، موت کے مرہ کو چکھنے کے زمانہ کا ذکر کرتی  
ہیں۔ اس طرح مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان یہ بحث  
ختم ہو جاتی ہے کہ یہ حدیثیں صحیح ہیں یا کہ غلط۔ بات صرف یہ  
باتی رہ جاتی ہے کہ ان کی پروری عبارت صحیح ہے یا صرف نزول  
مسیح تک۔ اگر پروری عبارت صحیح مان لی جائے (جیسا کہ ہے)  
تو مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوئے "صحیحیت" کا ہی سر سے  
خاتمہ ہو جاتا ہے کیونکہ ان احادیث میں صاف طور پر نزول  
مسیح ابن مریم کا ذکر ہے تاکہ مرزا غلام احمد قادیانی کا۔  
مرزا غلام احمد قادیانی کے بیٹے نے جو کہ قادیانی مذہب



ای کامیرو کا تھا۔ ایسا کتاب تبلیغ ہدایت میں بخاری کی حدیث حدیث کو صحیح مان کر منکر دی ہے، اس میں بھی عیسیٰ ابن مریمؑ ہی کا ذکر ہے، مگر غلط ہے۔

”حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
نے فرمایا کہ ”مجھے اس ذات کی قسم ہے کہ میں نے اپنے  
میں میری جان ہے کہ ضرور تامل کروں گے تمہارے  
اندر مسیح ابن مریم بحیثیت حکم و عدل کے یہ یعنی وہ  
تمہارے اختلافات کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرے  
وہ اسے ہوں گے اور وہ صلیب کو توڑیں گے اور حضور کو  
قتل کر دیں گے اور جبریل کا سوال ہی اٹھادیں گے اسی  
طرح اور بہت سی احادیث میں نزول مسیح کا ذکر موجود  
ہے۔ (تبیخ ہدایت ص ۳۷)

ایک سوال۔ بخوبی سامنے آتا ہے کہ علی علیہ السلام سے متعلق صحیح صحیح معلومات اللہ کے پیش پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیں یا کہ مرزا غلام احمد کو۔ کیونکہ مرزا غلام احمد نے اپنی کتاب انزالہ اوہام میں اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ابن مریم اور دیال کی حقیقت پورے طور پر واضح نہیں ہوئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو صرف اجمالی علم عطا کیا تھا (حصہ دوم ص ۳۳)

قرآن و حدیث کی تعلیمات اس پر گواہ ہیں کہ اللہ نے اپنے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سلسلے میں قدرت کے مطابق مکمل اور صحیح علم عطا فرمایا ہے اور اسی علم میں سے جو تفصیل سورہ آل عمران کی آیت ۳۳ شروع ہو کر آیت ۵۴ تک پہنچی ہوئی ہے اس کے آخر میں اللہ نے اس کی تصدیق ان الفاظ میں فرمائی ہے اِنَّ هٰذَا لَھُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ

مگر یہ حق پرستی بالکل پیچھے واقعات میں داخل نہیں ہو سکتا اور اس سے پہلے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا:

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ

(پس اس کے حق میں) اگر تمہارا سے یا اس (یہ) علم آ جانے کے بعد

یعنی تو اس سے اس (صلی اللہ علیہ السلام) کے بارے میں جھگڑا

کرو، (خدا اور مہم دہری کا مطالبہ کرے)

فَقُلْ تَعَالَوْا فِدْحُ أَيُّكُمْ وَأَيُّكُمْ كَثُرَ  
يَسَارَتَاؤُا فَيَسَارَتَاؤُا كَثُرَ وَالنَّفْسَاؤُا الْفُتَاؤُا كَثُرَ  
فَيَسَارَتَاؤُا كَثُرَ فَتَعَالَوْا لَعْنَتُ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ  
اگر پھر ان سے کہدو کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلائیں  
اور تم بھی اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلاؤ اور ہم خود بھی تمہیں اور  
تم خود بھی آؤ پھر دونوں (اللہ سے) دعا و استعا کریں کہ جو چیز  
ہو اس پر اللہ کی لعنت ہو (قرآن مجید ۷۱)

خلاف مرتبہ اللہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارے میں مکمل اور صحیح معلومات قرار دے کر نے کے بعد یہ بات عیسائی علماء کے وفد کو اس طرح پیش کی کہ ساتھ میں یہ بھی وثوق رکھا کہ جو احادیث اعلیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں بالکل ناقص تھیں اور جو محض ہٹ دھرمی اور منہ پھڑکھڑا کر کے علاوہ علیہ السلام کے بارے میں اپنے عقائد اور نظریات کی حمایت میں نہ تو کوئی صحیح بات پیش کر سکے اور نہ دنیا جہ کی وثوق رکھا سکا کہ اس کے اب قرآن و حدیث کے واضح دلائل اور اللہ کے ہر گز فصلے کے بعد مرزا قادیانی کے اس بے بنیاد دعوے کی حقیقت اس کے علاوہ اور کیا رہ جاتی ہے کہ اس نے قرآنی تعلیمات کے برخلاف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے



بغاداد کا یہ کہادکاب کیا ہے جس کی وجہ سے وہ کاذب ہیں  
بلکہ وہ تو یہی ہے۔

یہ جیسے ممکن ہے کہ اللہ سے علم یا کرم فی مسئلۃ اللہ علیہ وسلم  
لے رہا ہے فرمائی ہو کہ "اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم کو بھیجے گا اور  
وہ دمشق کے مشرقی حصہ میں سفید مینار کے پاس نزدیکی  
کے دو کھڑے پہنچے ہوئے دو فرشتوں کے بازوؤں پر  
اپنا عقد رکھے ہوئے آئیں گے" (مسلم) اور اس کے  
بعد ایک دوسرا شخص اسے دمشق حدیث کا ام و دیگر اور  
اسے صحیح سمجھنے کے باوجود بھی یہ اعلان کر دے کہ جس اللہ  
نے نوح علی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بتائی اسی اللہ نے مجھے  
یہ بات بتائی ہے کہ "اس نزول سے مراد درحقیقت مسیح  
ابن مریم کا نزول نہیں ہے بلکہ استعارہ کے طور پر ایک  
شکیل مسیح کے آنے کی خبر دی گئی ہے جس کا مصداق صبیح  
اعلام و الہام الہی بھی عاجز ہے" (یعنی خود مرزا قادیانی)  
(مکتوبات احمدیہ، جلد پنجم ص ۱۷۷ و ۱۷۸ مرام ص ۱۷۸)

اسے آپ اللہ تعالیٰ سے خزان کے علاوہ اور کیا کہیں  
سکے؟ اور یہ بھی اللہ سے بغاداد ہی کے مترادف ہے کہ جسے  
اللہ نے مثل آدم کہا ہے اسے مثل مرزا قادیانی کہا جائے۔  
اور سادہ دلی تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا مَثَلُ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ  
تَرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۚ كَذَلِكَ عِيسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ  
كِي مَثَالِ اللَّهِ كِي نَزِدُكَ آدَمَ كِي هِيَ هِيَ ۚ اس نے نبی سے  
اسی کا قالب بنایا پھر فرمایا کہ ہو جا تو وہ ہو گئے (ال عمران ۵۹)  
اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: الْحَقُّ مِنْ ذِيكَ  
فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُنْكَرِينَ ۚ کہ "یہ بات تمہارے رب

کی طرف سے حق ہے، پس تم ہرگز شک کر نہ والوں میں  
سے نہ ہو گا" (ال عمران: ۶۰)

مرزا قادیانی کا علی علیہ السلام سے فطری مشابہت  
کا دعویٰ بھی ملا خطہ فرمائیے۔ وہ کہتے ہیں کہ "سوا اس عاتقہ کو  
اور بزرگوں کی فطری مشابہت سے علاوہ جس کی تفصیل ہر ابن  
احمد میں یہ بسط تمام مندرجہ ہیں، حضرت مسیح کی فطرت  
سے ایک خاص مشابہت ہے، اور اسی فطری مشابہت کی  
وجہ سے مسیح کے نام پر یہ عاجز بھیجا گیا۔ تا صلیبی اعتقاد  
کو پاش پاش کر دیا جائے۔ سو میں صلیب کو توڑنے اور تھریوں  
کے قتل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ میں آسمان سے  
آئے ہوں، ان پاک فرشتوں کے ساتھ جو میرے دائیں بائیں  
تھے" (فتح اسلام: حاشیہ ص ۱۷۸)

مرزا غلام احمد قادیانی کو علی علیہ السلام سے  
فطری مشابہت کا ذکر کرتے وقت، مشابہت کی بھی نشاندہی  
کر فی چاہئے تھی بالکل اسی طرح جس طرح اللہ نے مثل آدم  
کہہ کر مشابہت کی نشاندہی فرمائی ہے مرزا قادیانی کو علی  
کے آسمان پر اٹھائے جانے پر سخت اعتراض ہے۔ اس  
سلسلے میں ان کے فرزند لکھتے ہیں۔

"اب ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے ہر طرف  
آسمان کے اندر محدود نہیں ہے اس کی طرف اٹھائے جانے  
کے معنی آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے کس طرح ہو  
سکتے ہیں؟" (ترتیب ہدایت ص ۱۷۸)

ایک طرف یہ اعتراض ہے اور دوسری طرف مرزا صاحب  
کا یہ کہنا کہ "میں آسمان سے آئے ہوں ان پاک فرشتوں کے  
ساتھ جو میرے دائیں اور بائیں تھے" حق تو یہ ہے کہ حق



باجہ زبان پر آتی جاتی ہے گولا لگے اسے چھپایا جائے۔

یہاں یہ سزا قادیانی کے دعوئے مسیح موعود کے پس منظر کا تذکرہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ان کے دست راست اور ان کے بعد بولنے والے ان کے خلیفہ حکیم نور الدین نے انہیں ایک خط میں یہ مشورہ دیا کہ دمشق حدیث کے مصداق کو علیحدہ چھوڑ کر شیل مسیح کا دعویٰ ظاہر کیا جائے۔ جس کا جواب دیتے ہوئے مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ

”جو کچھ ان مخدوم نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر دمشق حدیث کے مصداق کو علیحدہ چھوڑ کر ایک شیل مسیح کا دعویٰ ظاہر کیا جائے تو اس میں ترجیح کیا ہے۔ درحقیقت اس عاجز کو شیل مسیح بننے کی کچھ حاجت نہیں ایسا چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے عاجز اور مطیع بندوں میں داخل کر لے۔ لیکن ہم اس ابتلا سے کسی طرح بچنا نہیں سکتے۔ خدا تعالیٰ نے ترقیات کا ذریعہ صرف ابتلا ہی کو دکھایا ہے۔“  
(مجموعہ مکاتیب میں موجود اس خط پر ۲۳ جنوری

۱۸۹۱ء کی تاریخ درج ہے)

مرزا غلام احمد قادیانی بقول ان کے فرزند بشیر الدین محمود ۱۸۳۲ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ پھر ۱۹۰۱ء میں نبوت کے عقیدہ پر (سیرت المہدی) جس کا مطلب یہ ہوا کہ ۵۵ سال تک حدیث نبویؐ کے مطابق سزا صاحب کا یہ عقیدہ رہا کہ نذول عیسیٰ ابن مریم ہی کا ہوگا اور اس کے بعد خود نازل ہو کر سامنے آئے۔

براہین احمدیہ میں مرزا قادیانی کو عیسیٰ علیہ السلام

کے آسمان پر اٹھائے جانے اور دوبارہ اترنے کا بھی اقرار ہے۔ لیکن ان کے بل کا اس کتاب کے حصہ پنجم ضمیمہ نذول مسیح میں اس کا اعتراف اور اس امر پر اظہار تعجب بھی کیا کہ وہ اس وقت تک عقیدہ نذول مسیح کے قائل تھے۔

بعد میں سترہ سال کر عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عقیدہ نذول سے انکار کیوں کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ مسلمانوں میں عیسیٰ ابن مریم کے نذول کا عقیدہ موجود تھا۔ مرزا نے اس عقیدہ سے سیاسی فائدہ اٹھایا اور نذول ابن مریم علیہ السلام سے لوگوں کی توجہ ہٹا کر خود کو مسیح ابن مریم کی جگہ پر اٹھان کر دیا۔ اس سلسلہ میں سزا قادیانی کی افسانہ طرازی ملاحظہ کیجئے۔

مسلم کی حدیث میں نذول مسیح ابن مریم علیہ السلام کا ہی تذکرہ نہیں ہے بلکہ یہ بھی ذکر ہے کہ وہ دمشق کے مشرق حصہ میں سفیدینا رکے پاس نر درنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے دو فرشتوں کے بازوؤں پر اپنے ہاتھ رکھے ہوئے اتربیں گئے۔ اب جو کہ مرزا اس حدیث کے معیار پر لوہے نہیں اترتے تھے اس لیے خود ان کے ساتھی حکیم نور الدین نے مرزا صاحب کی توجہ اس طرف مبذول کرائی۔ چنانچہ مرزا اس سلسلے میں رقمطراز ہیں کہ

”یہ عاجز بھی اس بات (دمشق کی حقیقت) کی تفتیش کی طرف متوجہ نہیں ہوا کہ وہ معنی کیا ہیں کہ اسی اثناء میں میرے ایک دوست اور محبہ ذاتی مولوی نور الدین صاحب اس جگہ قادیان میں تشریف لائے اور انہوں نے اس بات کے لیے درخواست کی جو مسلم کی حدیث میں لفظ دمشق ذی سر اور چند ایسے



"پس مسج کا دمشق میں اتنا صاف دلالت کرتا ہے  
 کہ کوئی مشکل مسیح جو حسین سے بھی بوجہ مشابہت،  
 ان دونوں بزرگوں کی مماثلت رکھتا ہے، یہ یہودیوں  
 کی تیسرے اور ملزم کرنے کے لیے جو مشابہت یہودیوں سے  
 تھا۔"

"و دمشق کا لفظ محض استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا  
 ہے۔" اور بعضاً، اور وہ زرد رنگ کی چادریں کس طرح بیماری کا  
 کوپ دھار گئیں، یہ بھی دیکھتے چلیے! اور ادا ہوتا ہے۔

"میں ایک دائم الحول شخص آدمی ہوں اور وہ دوزخ و  
 چادریں جن کے بارے میں حدیث میں ذکر ہے کہ  
 ان دو چادریں میں مسیح نازل ہوگا، وہ زرد چادریں  
 میرے شامل حال ہیں جن کی تعبیر علم الرئیائی رو  
 سے دو بیماریاں ہیں۔ سو ایک چادر میرے اوپر  
 کے حصہ میں ہے کہ ہمیشہ موزوں اور دوزخ میں اور  
 کبھی خواب اور تشنچ دل کی بیماری دورہ کے ساتھ  
 آتی ہے اور دوسری چادر جو میرے نیچے کے حصہ

بدن میں ہے وہ بیماری ذیابیطس ہے کہ ایک  
 مدت سے دامن گیر ہے اور بسا اوقات سو سو دن  
 رات یاد دل کہ پیشاب آتا ہے اور اس تعدد کثرت  
 پیشاب سے جس قدر غوار میں ضعف وغیرہ ہوتے  
 ہیں وہ سب میرے شامل حال رہتے ہیں۔"

(سیرت المہدی جلد ۲ ص ۱۵۴)

وائے ناکامی کہ احادیث میں مذکور دمشق کے مبارک  
 شرف کی کوئی تاویل مرزا صاحب سے نہ ہو سکی لیکن وہ کب  
 ہوا مانتے والے تھے انہوں نے قادیان کے مشرقی حصہ میں

مجلس الفاظ میں۔ ان کے انگشتان کے لیے جناب  
 الہی میں توجہ کی جائے۔ جو نگران دوزخ میری طبیعت  
 علیل اور دماغ ناقابل جدوجہد تھا، اس لیے میں  
 ان عام مقاصد کی طرف توجہ کرنے سے مجبور رہا۔  
 صرف کٹوری سی توجہ کرنے سے ایک لفظ کی تشریح  
 یعنی دمشق کے لفظ کی حقیقت میرے پرکھل گئی۔

(انوار الایمان ص ۳۱۱)

اس کے بعد دمشق کے بارے میں یہ انگشتان فرماتے ہیں۔  
 پس واضح ہوا کہ دمشق کے لفظ کی تاویل میں میرے  
 پر من جانب اللہ یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس بزرگ سے  
 قصیر کا نام دمشق رکھا گیا ہے جس میں ایسے لوگ  
 رہتے ہیں جو نیریزی الطبع اور تریہید کی عادات و  
 خیالات کے پیرو ہیں جن کے دلوں میں اللہ اور  
 رسول کی کچھ محبت اور احکام الہی کی کچھ عظمت  
 نہیں۔ جنہوں نے اپنی خواہشوں کو اپنا معمول بنا لیا  
 ہے اور اپنے نفس آمارہ کے حکموں کے لیے مطیع  
 ہیں کہ متحدہ سوں اور پاکوں کا خون بھی ان کی نظر  
 میں سہل اور آسان ہے اور آخرت پر ایمان  
 نہیں رکھتے اور خدا تعالیٰ کا موجود ہونا ان کی نگاہ  
 میں ایک بھیجیدہ مسئلہ ہے جو انہیں سمجھ نہیں  
 آتا اور نہ کہ طیب کو بیماریوں کی طرف آنا چاہیے۔  
 اس لیے ضروری تھا کہ مسیح ایسے ہی لوگوں میں  
 نازل ہو۔

(حاشیہ انوار الایمان ص ۳۱۱)

اس کے بعد لکھتے ہیں۔



"جب عیسیٰ علیہ السلام نے ان (بنی اسرائیل) کی طرف سے کفر و نافرمانی کی روش (محسوس کی تو انہوں نے کہا) (لوگوں کو پکارا) کہ کون ہے جو اللہ کی راہ میں میری مدد کرے؟  
 حواریوں نے اس آواز پر لبیک کہا اور اللہ پر اپنے ایمان کے اظہار کے ساتھ اس کی راہ میں ساتھ دینے کا اعلان کیا۔

قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ اَنْصَارُكَ يَا مَسِيحُ  
 يَا لَللَّهِ جَدَّ اَشْهَدُ بِاَنَّكَ مُسْلِمٌ

"حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کی راہ میں مدد کرنے والے ہیں۔ ہم اللہ پر ایمان لائے اور گواہ ہے کہ ہم قرآن و ہدایت میں (ال عمران: ۵۲)

اور پھر اپنے رب سے عہد کرتے ہوئے اس سے درخواست کی کہ

مَرْيَمُ اَمَّا بِمَا اتَّزَلْتَ وَاتَّبَعْتَ السَّيِّئِينَ  
 فَاَكُنْ مِنَ الْمُسْلِمِينَ

"اے ہمارے رب! جو (حکم) تو نے نازل کیا ہم اس پر ایمان لائے اور ہم نے تیرے رسول کی پیروی اختیار کر لی۔ اے اللہ! تو ہمارا نام شہادت دینے والوں میں لکھ دے۔  
 (آل عمران: ۵۳)

ایسی حالت میں جب کہ دشمن جان کے درپے ہوں اور مقابلہ زیادہ طاقتور بھی ہوں تو ان کے مقابلے میں ثابت قدم رہنا آسان کام نہیں رہتا۔ اللہ کے ایاد علیہم السلام اور ان کے اہل ایمان مساتھی بھی یہ توفیق پاتے ہیں جن کو بہر حال اللہ کی تائید اور نصرت پر اعتماد ہوتا ہے۔ واقعہ حق میں عیسیٰ علیہ السلام کی ہمت اور ثبات قدمی کو سراہتے

باقاعدہ طور پر ایک مینارہ تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا اور اس سلسلہ میں چندہ جمع کرنے کی ترغیب بذریعہ "اشتہار چندہ مینارۃ المسیح" دی گئی۔ لیکن مینارہ کی تکمیل تک ان کی زندگی سے رونا نہ گئی۔ اور اس طرح یہ مینارہ ان کے فرزند سرزا بشیر الدین محمود کے ہاتھوں مکمل ہوا۔

اس طرح قادیانیوں کے "مسح" کا نعرہ پہلے ہوا اور "مینارۃ المسیح" بعد میں تعمیر ہوا اور وہ بھی خود اسی "مسح" کے حکم سے۔

خود سائنس "مسح" کی انسانی طرز کی کائناتوں کے بعد آئیے حیات عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے کو قرآن کی عدالت میں لے چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اللہ کی کتاب کے کس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔

حیات و رفیع عیسیٰ علیہ السلام کی امامت عیسیٰ کی؛ یہ بات تو سامنے آچکی ہے کہ بنی اسرائیل عیسیٰ علیہ السلام کے تختہ پر کیا کو زہر قاتل سمجھ کر اس سے برأت کا اعلان کر چکے تھے اور توحید کے داعی کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھ کر ان کی گردن زنی کے لیے مصروف عمل تھے اور یوں بھی اللہ کے پیغمبروں کو ناحق قتل کرنا تو ان کی عادت بن چکی تھی۔ اس لیے عیسیٰ علیہ السلام کے خون سے اپنا تلوار کی بیاس بچانے کے لیے بڑے تاب تھے بنی اسرائیل اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے جو عقلی انداز اختیار کر رہے تھے، اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اس سے غافل نہ تھے بلکہ انہیں اس کا اندازہ ہو گیا تھا اور یقیناً اللہ ان کی رہنمائی کرنے والا تھا۔ قرآن میں آتا ہے:

فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيَّ اَيُّ اللّٰهِ ط



ہوئے ان کے عظیم قدردان رب نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اطمینان رکھو، تمہارے دشمنوں کی پالیسی پر تدبیر کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی، میں اپنی تدبیر کو غالب کر کے ان کے منصوبے کو خاک میں ملا دوں گا اور تمہیں زندہ، صحیح و سالم اپنی طرف اٹھا کر ان کی دسترس سے باہر کر دوں گا۔

ظاہر ہے ایسی صورت میں جبکہ ایک طرف کسی کو ہلاک کرنے کا منصوبہ بن رہا ہو تو دوسری طرف سے لازمی طور پر اسے بچانے کی تدبیر کی جائے گی۔ دونوں تدبیروں کا ایک دوسرے کی ضد ہونا لازمی امر ہے اللہ کی کتاب کے حوالے سے یہ بات ممکن نہیں کہ کسی کی زندگی کو ختم کرنے کی سازش کے مقابلے میں اس کی موت کا فیصلہ ہوا ہو اور پھر کہا گیا ہو کہ یہ اس سازش کے مقابلے میں بہتر تدبیر ہے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان دو متضاد تدبیروں کا کلام اللہ میں یوں ذکر آیا ہے۔

وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ فَأَلَّهُ خَيْرٌ لِّمَا كُفِّرُوا ۖ

اور بنی اسرائیل نے (عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف) خیال بنایا اور اللہ نے بھی ان کے خلاف تدبیر کی اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ (ال عمران: ۵۴)

لفظ "مکروا" کے معنی کسی کے خلاف سازش کو نقصان پہنچانے کے لیے کوئی خفیہ تدبیر کرنا ہیں۔ اور اس طرح کے خفیہ منصوبے کو ناکام بنانے اور منصوبہ بنانے والے کو مٹا دینے کے لیے اسی انداز سے جو تدبیر اختیار کی جائے وہ بھی "مکروا" ہی کی تہریق و تمسک آتی ہے۔ اور یہی ہر لحاظ سے صحیح ہو کر اور سبق آموز ہوتی ہے قرآن میں جس ممکن

کو اللہ کی طرف... منصوبہ کیا گیا ہے اس سے مراد یہی تدبیر یا مکر ہے جو دشمنان حق کی سازشوں کے قوی یا ان کی مکر کی کے لیے اللہ تعالیٰ اختیار فرماتا ہے جتنا بچہ سالہ برونسکوف سے مراد وہ خفیہ چالیں یا منصوبہ بندی ہے جو بنی اسرائیل نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے یا صلیب پر چڑھانے کے لیے اختیار کیں۔ اور وَمَكَرَ اللَّهُ سے بنی اسرائیل کی سازشوں کو ناکام بنانا اور عیسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کی تدبیر مراد ہے۔ اور اللہ کی تدبیر کو بنی اسرائیل کے منصوبے کے مقابلے میں لانے کا مطلب یہی ہے کہ یہ وہ اپنی سازش میں ناکام و نامراد ٹھہر چکے اللہ کی تدبیر غالب آئی اور عیسیٰ علیہ السلام کو بچایا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے صرف عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ہی ان تدبیروں کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ اپنی کتاب میں کئی مقامات پر ان متضاد تدبیروں کے مقابلے کا ذکر فرمایا ہے اور ہر جگہ اپنی تدبیر کو غالب کر کے اپنے رسولوں اور الٰہی ایمان کو باطل قوتوں کے مکر و فریب سے بچانے کا ہی تذکرہ کیا ہے۔ اسی سلسلے میں کتاب اللہ سے چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ سورہ المائد میں اللہ تعالیٰ نے قوم صالح علیہ السلام کے لوگوں کو کفر فرمایا ہے جو صالح علیہ السلام کی مخالفت میں پیش پیش تھے اور اصلاح قبول کرنے کے بجائے فساد پھیل رہے تھے۔

بالآخر انہوں نے صالح علیہ السلام اور ان کے ایماندار ساتھیوں کو قتل کرنے کا خفیہ منصوبہ بنایا اور آپس میں عہد کیا جس کی تفصیل اس طرح بیان ہوئی ہے

وَقَالُوا قَاتِلُوا قَاتِلَ اللَّهِ وَلِلَّهِ كُتِبُ الشَّهَادَةُ ۚ



”غرض اللہ نے اس مردِ مومن کو اللہ لوگوں کی بری  
چالوں سے محفوظ رکھا اور فرعون والوں کو عذابے آگ گھیرا  
(المومن : ۴۵)

۳۳۔ اور اس وقت بھی اللہ کی تدبیر ہی غالب رہی۔  
جب مردِ ایمان قریش نے دعوتِ حق کو ختم کرنے کے لیے آپس  
میں خفیہ طور پر مشاومت کی اور مختلف تباہی و بربادی کرنے  
کے بعد اس بات پر اتفاق ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو  
قتل کر دیا جائے اور قتل کے لیے یہ منصوبہ بنایا گیا کہ اس  
میں قریش کے تمام بڑے خاندان شریک ہوں تاکہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے لوگوں کے لیے یہ ممکن نہ رہے  
کہ وہ قصاص کا مطالبہ کر سکیں لیکن اللہ نے اپنی بہترین تدبیر  
کے ذریعے اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی مرقعہ  
سازش سے بھی نگران کے لیے ہجرت کی راہ کھول دی اور اس  
طرح دعوتِ حق کو مزید پھیلنے کا موقع عطا فرمایا۔ اللہ کے نبی  
صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی مدد سے اپنے خون کے پیاسوں کی  
آنکھوں میں خاک بھونک کر نکل گئے اور وہ ان کا بال بھی ہیکلہ  
کر سکے۔ کفار کے اس خفیہ منصوبے کا ذکر قرآن میں اس  
طرح آیا ہے :

وَأَذِیْمُکُمْ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا اَلَمْ تَتَوَلَّوْا  
یَقْتُلُوْکَ اَوْ یَحْجُبُوْکَ اَوْ یَحْکُمُوْا عَلَیْکُمْ اِنَّ  
اَللّٰہَ خَبِیْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝

”اور (اے نبی) وہ وقت یاد کرو جب کفار تمہارے  
بارے میں خفیہ منصوبہ بنا رہے تھے کہ تم کو قید کر دیں یا قتل  
کر دیں یا (وہن سے) نکال دیں یا اور (اور ہم) وہ چال چل  
تھے اور (اور ہم) اللہ تدبیر کر رہا تھا اور اللہ  
سب سے زیادہ خبردار ہے۔“

لَقَدْ لَعَنُوْا لِمَ لَیْسَ لَیْسَ مَا شَهِدْنَا مِنْکُمْ  
اٰہْلِیْمَ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝

اور انہوں نے (آپس میں ایک دوسرے سے) کہا کہ اللہ  
کی قسم کھا کر شہد کرو کہ ہم اس (صالح) پر اور اس کی آل پر  
شیخوں مایں گئے پھر اس کے والدوں سے کہہ دیں گے ہم  
ان کے قتل کے موقع پر گئے ہی نہیں اور ہم سچے کہتے ہیں :  
(النمل : ۲۵)

لیکن اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی اس سازش کو ناکام  
بنا کر اپنے رسول اور ان کے ساتھیوں کو بچا لیا جبکہ سازش  
کرنے والے پورے قوم سمیت اللہ کے عذاب کا شکار بنے  
فرمایا : - وَ مَكْرُوْا مَكْرًا وَّ مَكْرُوْا مَكْرًا وَّ  
حَصْرٌ لَا یُشْعِرُوْنَ ۝ فَانْظُرْ کَیْفَ کَانَ عٰقِبَةُ  
مَكْرِیْہِمُ اَآءَانَ مَكْرُہِمُ وَکَوْنُ مَہْمُہُمْ اَیْہِمُ ۝  
”اور وہ ایک چال چلے اور ہم نے بھی ایک تدبیر کی اور  
ان کو کچھ شہ نہ چلا۔ پس دیکھ لو کہ ان کی چال کا انجام کیسا ہوا۔  
ہم نے ان کو اور ان کی قوم سمیت سب کو ہلاک کر ڈالا :  
(النمل : ۵۰، ۵۱)

پھر فرمایا : - وَ اَنْجِیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ کَانُوْا  
یَتَّقُوْنَ ۝

”اور ہم نے ایمان اور نافرمانی سے بچنے والوں  
کو بچا لیا۔“ (النمل : ۵۲)

۳۴۔ یہی حشر موسیٰ علیہ السلام اور قوم فرعون کے مومن  
شخص کے خلاف فرعونوں کی شرارتیں چالوں کا ہوا فرمایا :  
قُوْطِبَ اَللّٰہُ سَبَآحًا مَّا مَكْرُوْا وَاَحَاقَ بِاَلِ  
فِرْعَوْنَ سُوْرُ الْعَذَابِ ۝



والا ہے" (الافتال: ۳۰)

قرآن اس بات کے خلاف ہیں کہ اس کے معنی موت دینے کے لیے جائیں۔

مذکورہ بالا مثالوں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ انبیاء علیہم السلام کی حمایت میں اللہ کی تدبیر کے مقابلے میں کافروں کی چالیں ہرگز غیر مؤثر ثابت نہیں۔ اسی طرح قرآن میں جہاں بھی انبیاء علیہم السلام کے خلاف کفار و مشرکین کی تدبیر کا ذکر آیا ہے اللہ نے یہی فرمایا ہے کہ ہم نے ان کو کفار و مشرکین کی چالوں سے بچا لیا اور یہ کہیں نہیں آیا کہ اللہ نے انبیاء کو کافروں کے ہاتھوں قتل کے منصوبے سے بچالے کے لیے موت سننے تکنا کر دیا ہو۔ بالکل اسی طرح بنی اسرائیل کی سادش عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف بھی چاہے وہ قتل کے ذریعہ ہوا صلیب کے ذریعہ چنانچہ اللہ نے انہیں زندہ اپنی طرف اٹھا کر یہودی دسترس سے محفوظ رکھا۔ یہی قرآن کا فیصلہ ہے اور اسی بات کی اللہ تعالیٰ نے علی علیہ السلام کو تسلی اور بشارت دی تھی۔

إِذْ قَالَ اللَّهُ لِيُحْيِي سُلَيْمَانَ إِنِّي أَمْتُو قِيْلَكَ وَرَأَيْتَكَ أَتَى...

"جب اللہ نے فرمایا کہ اے علی! میں تمہیں پورا پورا (صحیح سالم) اپنی طرف اٹھا لینے والا ہوں۔" (ال عمران: ۵۵) معرکی لغت کے لحاظ سے "تَوَاتَى" کے معنی معنی "الاتحاد یا ملتہام" یعنی کسی چیز کے پورا پورا ملنے یا کسی چیز کو اپنی طرف متعلق کر لینے کے ہیں۔ موت دینے کے معنی میں یہ لفظ حقیقی طور پر نہیں بلکہ مجازی طور پر استعمال ہوا ہے ایسے الفاظ جو اپنے حقیقی اور مجازی معنوں میں مستعمل ہیں، ان کے صحیح مفہوم کے تعین کے لیے سیاق و سباق اور قرآن کو دیکھا جاتا ہے۔ چنانچہ یہاں مسیح علیہ السلام کے بارے میں اور جہیز

۱۔ قرآن میں انبیاء علیہم السلام کے واقعات اسی بات کی گواہی دیتے ہیں کہ جب ان کی قوموں نے ان کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا یا تو اللہ نے ان کو اپنی مدد اور حفاظت کی خوشخبری دی ہے۔ یہاں یہ پوری کی پوری آیت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی پیروی کرنے والوں کے لیے اللہ کی طرف سے خوشخبری اور مدد کے وعدے پر مشتمل ہے۔ اسکی سیاق و سباق میں آخر یہ کہنے کا کیا موقع ہے کہ میں تمہیں موت دینے والا ہوں۔ بنی اسرائیل بھی تو یہی چاہتے تھے کہ ان کی زندگی کے جراح کو قتل کر دیا جائے۔

۲۔ اَلْإِنْفِیْ مَمْتُو قِيْلَكَ سے یہاں موت دینا مراد ہے تو پھر اس کے بعد مَرَأَفَعَكَ اِلَیَّ کے الفاظ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یہ کہنے کا آخر کیا فائدہ ہے کہ میں تمہیں موت دینے والا اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔ جیسا کہ تادیبان والوں نے بھی اس کا یہی مطلب لیا ہے۔ یعنی "اے علی! میں ہی تجھے وفات دوں گا اور تجھے اپنی طرف اٹھاؤں گا۔" (تبیغ ہدایت: ص ۳۳)

جبکہ مَمْتُو قِيْلَكَ کے بعد مَرَأَفَعَكَ اِلَیَّ کے الفاظ "تَوَاتَى" کے مفہوم کو واضح کرنے کی دلیل ہیں۔ کہ تمہاری "تَوَاتَى" کی صورت یہ ہوگی کہ میں تمہیں اپنی طرف اٹھاؤں گا۔

۳۔ "مَرَأَفَعَكَ اِلَیَّ" کے معنی محض رفع درجات لینا درست نہیں۔ ایسی صورت میں "اِلَیَّ" کا لفظ بالکل بے ضرورت ہو کر رہ جاتا ہے اور قرآن میں کوئی لفظ بلا ضرورت



استعمال نہیں ہوا ہے۔ اگر اس کا مقصد صرف درجے کی  
بلندی کو ظاہر کرنا ہوتا تو عربی زبان کے لحاظ سے سرفاع  
کافی تھا۔ قرآن میں جہاں بھی یہ لفظ مرتبہ کی بلندی کے  
محتول میں استعمال ہوا ہے بغیر ائی کے استعمال ہوا ہے۔  
مثال کے طور پر:-

وَدَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ اور ہم نے اس کو اونچے  
درجے پر فائز کیا۔ (مریم: ۵۷)

وَلَوْ شِئْنَا لَکَرَفَعْنَاهُ مَهْجَا ۝ لَکِنَّا أَخْلَصْنَاهُ  
إِلَى الْآسَافِ وَتَبِعَ كَهْلُوحَةً ۝ اور اگر ہم چاہتے تو  
ان کی موتوں کے ذریعہ اس (کے درجے) کو بلند کر دیتے  
لیکن وہ تو بستی کی طرف اُٹل ہو گیا۔ اور اپنی خواہش کے  
پیچھے چل پڑا۔ (الاعراف: ۱۷۶)  
اگر حرف 'اِی' کے استعمال کو ملحوظ رکھا جائے تو  
"مَافِیْ حَتِّ اِی" کے لازمی طور پر یہی معنی ہوں گے  
کہ میں تم کو عزت و اکرام کے ساتھ اپنی طرف اُٹھا لینے والا  
ہوں۔

۳۔ قرآن میں دوسری جگہ جہاں یہ مضمون بیان کیا گیا  
ہے، وہ "اِنَّ مَتَوَفِّیْکَ" کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا بل  
اور صلیب کی نفی کے بعد جس پیر کا اثبات کیا گیا ہے  
وہ حرف اُٹھا لے جانے کا ہے۔ یعنی بَلْ دَفَعْنَاهُ  
اِلَیْہِ (بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اُٹھا لیا ہے)  
یہ اس بات کا نہایت واضح قرینہ ہے کہ قرآن نے "تَوَفَّی" کی  
کی صحیح شکل یہ بتائی ہے کہ اللہ نے علی علیہ السلام کو اپنی  
طرف اُٹھا لیا۔ ملاحظہ ہو!

وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِیْسٰی ابْنَ

مَرْیَمَ سَوَّلَ اللّٰہُ فِی مَا قَتَلُوْهُ وَمَا  
صَلَبُوْهُ وَلٰکِنْ مَّشِیْءَ لَہُمْ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ  
اُخْتَلَفُوْا فِیْہِ لَفِی شَکٍّ مِّنْہٗ ۝ مَا لَہُمْ  
بِہٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اَتِّیَاجَ الظُّنِّ ۝ وَمَا  
کَتَلُوْهُ یَقِیْنًا ۝

بَلْ رَفَعْنَاهُ اِلَیْہِ ۝ وَكَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا  
حَکِیْمًا ۝

"اور ان کے کہنے کے بموجب کمرہ میں مسیح  
مریم کے بیٹے علیؑ اور اللہ کے رسول کو قتل کر دیا ہے  
نہ تو انہوں نے ان کو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ معاملہ  
ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا اور جن لوگوں نے اس بارے میں  
اختلاف کیا وہ ان کی طرف سے شک میں مبتلا ہیں۔  
اور انہیں اس کے بارے میں یقین کی سیرابی کے سوا کوئی علم  
نہیں۔ اور انہوں نے علیؑ علیہ السلام کو یقیناً قتل نہیں  
کیا بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اُٹھا لیا اور اللہ غالب  
اور حکمت والا ہے۔" (النساء: ۱۵۷، ۱۵۸)

ان آیات کے ذریعے جو علیؑ علیہ السلام  
کی موت کی تردید کے باب میں اہم ترین مقام رکھتی ہیں۔  
قرآن نے پوری شدت کے ساتھ ان لوگوں کے دعوے کو  
رد کیا ہے جو ان کے قتل یا صلیب کے مدعی تھے۔ اگر ان  
کی موت واقع ہو گئی ہوتی تو ایسے موقع پر قرآن صاف صاف  
اعلان کرتا کہ نہ ان کو قتل کیا گیا اور نہ سولی دی گئی بلکہ اللہ  
نے ان کو وفات سے بچا کر لیا۔ لیکن اللہ کی کتاب نے نہ  
صرف یہ کہ یہ کہا نہیں بلکہ یہاں "تَوَفَّی" کا لفظ بھی استعمال  
نہیں کیا اور نہ "دَفَعْنَاهُ" کا لفظ



استعمال کیے اور اس کے بعد وَكَانَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ  
حَکِیْمًا کہہ کر اس واقعہ کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے  
کہ یہ کام معمولی نوعیت کا نہیں بلکہ معجزہ ہے۔ چنانچہ ہر  
صاحبِ نظر اس بات کا اندازہ کر سکتا ہے کہ قتل و  
صلب کی تردید کے بعد اس دفع سے موت مراد لینے کی  
کہاں تک گنجائش ہے؟

قادیانوں کے نزدیک لفظ "تَوَفَّى" کے اصل اور  
مستقل معنی تو موت دینے ہی کے ہیں (تبلیغِ ہدایت ص ۱۸)  
اس لیے مرزا شیر احمد نے فی حقیقتی اِقْرَافِ مَوْتَوَیْنِکَ  
وَسَرَّافِ حَکِّکَ اِقْرَافِکَ کا ترجمہ یہ بیان کیا ہے کہ "اے  
عسائی! تمہارا تجھے وفات دہی کا اور تجھے اپنی طرفہ اٹھاؤں  
کا" اور پھر اس کی یہ وضاحت بھی کی ہے کہ مسیحؑ کی  
وفات مسیحؑ کے دفع سے پہلے ہوئی کیونکہ مَوْتَوَیْنِکَ  
کو سَرَّافِ حَکِّکَ سے پہلے بیان کیا گیا ہے اور یہ وفات  
کے بعد کا دفع روحانی ہوا کرتا ہے تاکہ جہانی۔  
(تبلیغِ ہدایت)

سورۃ آل عمران کی اس آیت اور لفظ "تَوَفَّى"  
کے سلسلے میں ضروری وضاحت گزشتہ مضمون میں ہو چکی ہے  
یہاں پر اتنا عرض کر دینا البتہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تادیاتی  
گروہ (اور اس سلسلے میں ان سے مناسبت رکھنے والوں) کی  
طرف سے مذکورہ آیت کا یہ مطلب لینے کے نتیجے میں وہ باتیں  
ضرور سامنے آتی ہیں، اول یہ کہ اللہ کے اس وعدے کا تحقق  
قتل اور صلب کے مشورہ واقعہ سے نہیں اور نہ ہی اللہ نے  
یہ الفاظ عسائی علیہ السلام سے کسی کے طور پر فرمائے ہیں۔  
اور دوم یہ کہ یہ عام نوعیت کے الفاظ ہیں جو کہ عسائی علیہ السلام

سے کہے گئے ہیں یعنی جس طرح اللہ عام لوگوں کو موت دے کر  
(ان کی روح کو) اپنی طرف اٹھا لیا تب بھی کرتا ہے بالکل اسی  
طرح وہ انہیں بھی موت دے کر ان کی روح کو اپنی طرف  
اٹھا لے گا اور یہ کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں جس کی یہ دونوں  
باتیں اس سلسلے میں قرآن کے نفسِ مضمون سے میل نہیں کھاتیں  
بلکہ اس کے برعکس ہیں۔

دراصل قادیانی اور اس معاملے میں ان کے مہتمما  
اپنے اپنے مذہب و مقاصد کے حصول کی خاطر قسطنطنیہ  
مِنْ قَبْلِہِ الشَّرِکِ (الہ عمران: ۳۴)  
اور فَکَرْنَا تَوَفَّیْنِیْ کُنْتُ اَنْتَ الشَّرِیْقُ عَلَیْہِ  
(الحائدہ: ۱۱۷)

والی آیات کو غلط سمجھتے پیدا کرنے کے لیے یکساں طور پر  
اپنے دلائل کی بنیاد بنا کر پیش کر رہے ہیں اور اس طرح بظاہر  
ایک ترقی اصول کی پاسداری کے اندیشے میں دہلا ہونے کی  
داد وصول کر کے، اس حیثیت سے اپنے عمر کا جال پھیلانا  
چاہتے ہیں۔ ان کا معاملہ تو کچھ یوں ہے۔

• وہ بات سارے فسافے میں جس کا ذکر نہ تھا

• وہ بات ان کو بہت ناگوار گزرتی ہے

حقیقت یہ ہے کہ مسیحؑ کے ذبح آسمان پر اٹھانے جانے  
کے اس واقعہ سے ترقی اصول کے مطابق ان کی وفات کے  
معاملے میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے اہل  
قانون کے مطابق ضرور بالظہور عسائی علیہ السلام کو موت سے  
رہنما کرے گا یعنی جب وہ اللہ کے آخری رسول محمد صلی اللہ  
علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق قریب قیامت دینا میں  
تشریف لانے کے بعد اپنا کام انجام دے کر فارغ ہو چکے



ہوں گے، جو آپ کی متعدد اور متواتر احادیث میں بیان ہوئی ہے  
 اجماع کی تصدیق اللہ کی کتاب ان الفاظ میں کرتی ہے  
 وَ اِنَّهُمْ لَجَاهِلٌ كَلْبًا عَدُوًّا لِّمَا تُرْسَدُونَ بِهَا  
 وَ اَتَيْتُكُمْ بِبَيِّنَاتٍ مِّنْ لَّدُنِّي  
 "اور بیشک وہ (علی علیہ السلام) کیاست کی نشانی میں  
 تو (کہندہ کہ لوگو) اس میں شک نہ کرو" اور میری پیروی کرو  
 - یہی سیدھا راستہ ہے (الزمر: ۶۱)  
 اب قرآنی آیات اور انکی تشریح و تعبیر پر مشتمل اللہ  
 کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کے مقابلے  
 میں مرزا غلام احمد قادیانی کے اس افسانے کی کہ "علی  
 علیہ السلام ہجرت کر کے کشمیر پہنچے اور وہیں وفات پا کر مدفون  
 ہوئے" ایسا کوئی قابل ذکر حقیقت ہے اور کیا قرآن وحدیث  
 کے واضح موقوف کے مقابلے میں محض ظن کی اتباع کرنے  
 والے علم و دانش کے نام نہاد دعویداروں کے بے بنیاد  
 دلائل کسی سنجیدہ التفات کے مستحق ہیں؟ (جو اللہ کے فیصلے  
 کے خلاف) یعنی اسرائیل کے مضموبے کے مطابق اللہ کے  
 نبی علی علیہ السلام کو ان کی موت سے قبل ہی مار دیا جائے  
 ہیں؟ اس کا فیصلہ قرآن وحدیث کے سچے پیروکاروں کو کرنا  
 ہے۔ تعجب تو اس بات پر ہے کہ قرآنی اصولوں کے اندیشے  
 میں بلاوجہ دبا دھکیل ہونے والوں کو قرآن میں یہ نظر نہیں آتا کہ  
 اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر نوح علیہ السلام کو کس قدر طویل  
 زندگی اس دنیا میں عطا فرمائی ہے۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا  
 نُوحًا اِلٰى قَوْمِهِ فَاٰتٰىهُمْ بُرْهٰنًا فَكَفَرُوْا  
 اِلَّا اَخْمُسِيْنَ عَمَّا مَآطٍ اور ہم نے نوح علیہ السلام کو ان  
 کی قوم کی طرف (رسول بنا کر) بھیجا تو وہ ان میں پچاس برس

کم گزار دیں وہ ہے (العنکبوت: ۱۳)  
 اور اسی طرح اصحاب کعبہ کو بھی سو برس تک  
 زندہ کی حالت میں زندہ رکھا۔ آخر یہ اللہ کی مرضی کے مقابلے  
 میں اپنی مرضی چیلانا اور اللہ کی مشیت میں مداخلت نہیں تو اور  
 کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جن کی پیدائش اور اس کے بعد  
 کی زندگی معجزات سے مرقن نظر آتی ہے کو اس طرح معجزانہ  
 طور پر طویل زندگی عطا کئے جائے؟ یا منظور کا تعجب نہ کیا جائے  
 اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو اپنے خاندان ساز اصولوں کا پابند کر  
 دیا جائے؟ یہ اللہ کے غضب کو بھڑکانے والا انداز ہے اور  
 شاید ایسی ہی صورت حال کے بارے میں اللہ فرماتا ہے  
 كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِكَيْمَةٍ تَخْرِجُ مِنْ اَفْوَاجِهِمْ  
 يَقُولُوْنَ اِنَّ اِلٰهَ كَذِبًا (الکہف: ۵)  
 لفظ توفی کے ضمن میں مختصر امر یہ عرض ہے کہ  
 قرآن میں جا بجا موت کے مقابلے میں حیات کا ذکر آیا  
 ہے توفی کے مقابل حیات کا کہیں ذکر نہیں آیا اس کی چند  
 مثالیں ملاحظہ ہوں۔ ان سے موت کے مقابلے میں توفی  
 کی حقیقت کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔  
 كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَا قًا فَاٰخِا  
 كُمْ ثُمَّ مِمَّنْ كُمْ ثُمَّ كُنْتُمْ كُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ  
 تَرْجَعُوْنَ (البقرہ: ۲۸)  
 فَاٰخِا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِمْ - (البقرہ: ۱۴۲)  
 قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اِنِّىْ نَحْسِىْ وَ يَسْرِيْ  
 (البقرہ: ۲۵۸)  
 وَ مِّنْ مَّخْرِجِ الْحَيٰى مِنَ الْمَمِيْتِ وَ مَخْرِجِ  
 الْمَمِيْتِ مِنَ الْحَيٰى (البقرہ: ۳۱) (باقی صفحہ ۹۲ پر)



# سلسلہ سوال و جواب

ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ——— ترتیب: یعقینٹ (ریٹائرڈ) ارشد

سوال: ڈاکٹر صاحب! وتر پڑھ لینے کے بعد کیا تہجد پڑھ سکتے ہیں؟

جواب: بالکل پڑھ سکتے ہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو اس کی اجازت دی ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قَالَ أَوْعَانِي خَلِيلِي بِشَلَاثٍ صَوْرَةٍ شَلَاثَةٌ أَيْهَا مِثْلُ شَخْصٍ وَحَلَاةٍ الْفَتْحَى، وَلَوْ هَرَّ عَلَى وَشْرٍ۔ فرمایا کہ میرے خلیل (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے تین باتوں کی وصیت فرمائی ہے۔ ایک ہر مہینے میں تین روزے رکھنا۔ دوسرے سورت طہ میں ہونے کے بعد اشراق کی دو رکعت نماز پڑھنا اور تیسرے وتر پڑھ کر سونا۔ (بخاری و مسلم)

تلاہر ہے صحابہؓ سارے تہجد گزار تھے۔ اس طرح جعفر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم پر عمل کر کے عشاء کے بعد وتر پڑھا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سونے سے پہلے وتر پڑھنے کے عمل کو احتیاطی بنیاد پر جائز قرار دیا اور عمر رضی اللہ عنہ کے تہجد کے بعد وتر پڑھنے کو عزیمت کی بات کہہ کر سراہا ہے۔ اسی طرح دونوں عمل جائز ہیں۔ یہ ابو ہریرہؓ والی روایت ہم جیسے لوگوں کے لئے ہے جن کو تہجد کے وقت اٹھنے پر پورا اعتماد نہیں ہوتا اور سوتے رہنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لئے ان کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ پہلے وتر پڑھ لیں۔ باقی جو تہجد کے وقت اللہ کی توفیق سے اٹھ سکیں وہ بعد میں پڑھیں یہ افضل ہے۔ حدیث میں یہ بھی آیا ہے۔

سوال: ڈاکٹر صاحب! یہ شفاعت یا سفارش کا کیا معاملہ ہے؟

جواب: سورۃ البقرہ میں مالک فرماتا ہے، مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَ رَبِّكَ إِلَّا بِإِذْنِهِ؟ کہ اللہ کے پاس اس کی اجازت اور حکم کے بغیر کوئی سفارش نہیں کر سکتا اس سے پہلے اہل کتاب امتوں میں بھی یہی تصور پایا جاتا تھا کہ وہ انبیاء کی اولاد ہیں۔ اس لئے اُن کو اگر سزا ملی بھی تو محض چند روز پھر پھڑپھڑائے جائیں گے اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمائی ہے کہ ہم نے تم سے کوئی عہد نہیں کر رکھا ہے جس کی ہم خلاف ورزی نہیں کر سکتے اور یہ کہ تم جو چاہو کہتے پھرنا اور جس کی جس طرح چاہو سفارش کرنا کر کے گمراہی پھیلاتے پھرنا ہم اس کو مان لیں گے؟ فرمایا اللہ نے کسی کو اس کا اختیار نہیں دیا۔ یہ تو اللہ کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ اپنے غلام بندوں میں سے جن کی چاہے عزت افزائی فرمائے اور میدانِ محشر میں اس کو حکم دے کہ وہ کسی مومن کو گناہ نگاہ کے لئے



پتے تلے الفاظ میں سفارش کرے کہ مالک اس کے ساتھ رحمت کا معاملہ فرمادے اور پھر اللہ حکم دے کہ اس کے لئے شفاعت ہے۔ یہ بھی باذن اللہ ہے۔ مالک فرماتا ہے۔ **يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ فَوَقَالَ صَوَابًا** (۴۸) کہیں روئے حیران علیہ السلام اور سارے فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے اور کوئی زبان نہیں کھول سکے گا۔ اللہ کے حکم بغیر اور اللہ جس کو بولنے کی اجازت دیکر عزت دینا چاہے گا وہ بھی بالکل صحیح اور حق بات کہے گا۔ کسی کافر، مشرک اور منافقان کے لئے سفارش نہیں کر سکے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔ اور ان کو سفارش اور شفاعت کی اجازت دیکر ان کی عزت افزائی فرمائے گا اس کے بعد وہ سب انبیاء علیہم السلام صدیقین، شہداء اور صالحین کو بھی اللہ شفاعت کا اذن دے گا۔ یہاں تک کہ ایک معصوم بچہ بھی سفارش کرے گا لیکن یہ سب اللہ کی اجازت سے اس کے حکم سے اور اس کی مشیت کے تحت ہو گا اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ اس طرح اپنے ایسے بندوں کی عزت افزائی کرے ان کی قدر و منزلت کو بڑھانا پسند فرمائے۔

باقی میں کو یہ سفارش کہتے ہیں شفاعت قہری جو ہر مشرک امت اپنے لئے چھانٹ لیتی ہے کہ ہم فلاں نبی کی امت ہیں۔ ان کی اولاد میں یا ہمارے حضرت نبیؐ عزت میں دستگیر و دانا ہیں ان کی خدمت کرو ان کے دن مناؤ۔ پھر ان کی سیوا ہے ان کی نذر و نیاز ہے ان کی پیکاریں ہیں اللہ کو چھوڑ کر اور یہ تقوید و عقیدہ ہے کہ ان کا مقام ہے یہ چھوٹے اور لڑکے ہیں اللہ کے اگر وہ ان کو فیصلہ ہمارے خلاف بھی ہو گیا تو ہر ہمارے کام آئیں گے۔ مجھ کو اللہ سے فیصلہ بدلوالیں گے۔ ہماری سفارش کر کے ہمیں چھڑالیں گے، ہم چاہتے کچھ بھی کریں اللہ کے دامن گرفتہ ہیں یہ ہماری ہمت بیکری کریں گے

سفارش کا یہ جو تصور پایا جاتا ہے آج بھی ہر طرف اس کو مالک نے مشرک بلکہ مشرک کی جڑ قرار دیا ہے۔ سفارش تو وہ کتاب ہے جس کا علم زیادہ ہو چلا ہے اقتیارات کم ہوں۔ اللہ فرماتا ہے علم ہمارے پاس اختیار ہمارے پاس تم کیا سفارش کرو گے؟ یہ محض ہماری پسند اور ہماری مرضی کی بات ہے اور ہمارا حکم پانے کے بعد اگر تم کہہ دو گے رو قال تو باں اور وہ بھی صحیح بات کہ مالک! ان کے ساتھ کوئی سیلائی کرنا تو یہ سفارش اللہ کے ہاں ہے۔

جیسا کہ حدیث میں آتا ہے جس نے خالص دل سے **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کہا ہو گا اس کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہوتی۔ باقی دوسری سفارش جس کے اوپر مشرک ہوتا ہے کہ بابا کے دن مناؤ گیارہویں کرو۔ وقت پڑے گا تو اس دین میں بھی دستگیر کریں گے اور اگر کہیں وہ دن بھی آگیا جس کا یقین ہمیں کم ہی ہے وہاں بھی اگر مشکل پڑی تو یہ عمل جائیں گے اور فیصلہ ہمارے حق میں کرالیں گے۔ سفارش کا یہ تصور کہ مشرک کی پیداوار ہے جس کا کتاب سنت سے کوئی تعلق نہیں۔

سوال :- **وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قُلُوبِكُمْ** ... والی آیات کے بارے میں کچھ وضاحت فرمائیے جواب :- یہ سورۃ النساء کی جو آیت ہے یہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی بات ہے۔ اس کے پہلے جہنم میں فرمایا گیا: **وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا يَحْذَرُ الْإِسْطِطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ** کہ ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے وہ اس لئے کہ ہمارے



حکم سے اس کی پوری اطاعت کی جلتے۔ اپنے معاملات کا اس سے فیصلہ کرایا جائے۔ مگر اللہ فرماتا ہے یہ منافقین ہیں جو ایک سطر  
آپ پر ایمان کے دعویدار بھی ہیں لیکن اس کے باوجود اگر ان کو کوئی مسئلہ پیش آجائے جس میں یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کے پاس آئینہ  
فیصلہ کروانے کے لئے تو ان کے خلاف فیصلہ پڑے گا تو یہ ظالم ایسے ہیں کہ اپنے بڑوں کے پاس فیصلہ کروانے چلتے جلتے ہیں۔ اس  
طرح یہ ایمان کا اقرار کرنے کے بعد اللہ کے حکم کی نافرمانی اور اللہ کے بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا ارتکاب کرتے ہیں کہ آپ  
کو اس لائق نہیں مانتے۔ فرمایا جہنم نے اس طرح اپنے نفوس پر ظلم کیا ہے اس کی تلافی اور اصلاح کی ایک ہی صورت ہے کہ اگر ان کو توبہ کی  
توفیق ملے تو وہ آئیں اور بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے جرم کا اعتراف کریں کہ انہوں نے آپ کی موجودگی میں آپ کے بھلنے  
مناہوں یا یہودیوں کو اپنا حکم بنایا ہے پھر اللہ سے استغفار کریں اور بنی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لئے اللہ سے استغفار کریں تو یہ  
کہیں جا کر یہ پوری توبہ اللہ کی بارگاہ میں قبول ہوگی۔ **وَلَوْ أَنفَعُوا إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ**  
**وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ وَابَّةً لَّهِمْ** اور اگر یہ لوگ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے کے بعد توبہ پاس آ  
جاتے اور اللہ سے استغفار کرتے اور تو بھی ان کے لئے استغفار کرتا تو یقیناً وہ اللہ کو بخشے والا اور رحم کرنے والا پاتے (النساء: ۶۴)  
تو یہ ایک چیز جو خالص آپ کی زندگی کے لئے مخصوص تھی۔ اب دیکھئے کس طرح چالاکی سے اس سے فائدہ اٹھایا گیا اور کہا کہ اب جاؤ  
اور قبر کے پاس پہنچنے کے بعد اللہ کے بنی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہو کہ وہ بھی استغفار کریں اس طرح آپ کے مرنے کے بعد بھی زندہ  
مالو اور اللہ کی کتاب کا انکار کرو جیسا کہ آج کل یہ پھیلا یا جا رہا ہے۔ پھر ایک تھوٹی روایت لائے کہ ایک بدو قبر نبوی کے پاس آیا اور  
اس نے یہ آیت پڑھی اور پھر قبر پر گر پڑا اور کہا کہ میں آپ کے پاس آیا ہوں کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ آپ استغفار کریں تو آپ میرے  
لئے استغفار کیجئے۔ جب اس نے یہ کہا تو اللہ سے یہ آواز آئی کہ تجھے معاف کر دیا گیا۔ یہ بالکل تھوٹی روایت ہے۔ یہ قبر میں  
اور آسمانے میں پوری طرح سند کے ساتھ اس کی تفصیل دیکھ لیجئے کہ کس طرح شرک کو پھیلائے کے لئے تھوٹی روایتیں بنی ہیں  
اور کس طرح اس بات کو تقابلاً کر آج امت کو شرک کی اس گندگی میں ڈال دیا گیا ہے۔

سوال: ڈاکٹر صاحب! قرآن میں جو یہ بات فرمائی گئی ہے علم غیب کے بارے میں کہ اللہ نے انبیاء علیہم السلام کے علاوہ  
کسی کو نہیں دیا۔

جواب: غیب کا علم تو اللہ کے سوا کسی کو نہیں سورۃ النمل میں اللہ فرماتا ہے۔

**قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَانَ الْحُجُبُ إِلَّا اللَّهُ**

کہہ دو کہ اللہ کے علاوہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کا کسی کو علم نہیں۔ (آیت نمبر ۶۵)

البتہ اللہ وہی فرماتا ہے ہم اپنے رسولوں کو جو ذمہ دار کرتے ہیں۔ اس کی وسیع سے ان کو غیب کی کچھ باتوں سے باخبر کر دیتے

باقی صفحہ نمبر ۶۵ پر ملاحظہ فرمائیں



# سفیدی پر سیاہی

رخسار سے ہے گردِ مزارات ہویدا  
مسجدوں کی جبینوں سے چھلکتی ہے سیاہی

اے "اشہد ان اللہ کے پیرو یہ بتاؤ

رخسار و جبین فیتے ہیں اب کس کی گواہی

مسجد سے بھی کئے خاکِ مزاروں کی بھی چلائی

بتاؤ تو کیا ہیں یہی احکامِ الہی

جو بات تمہاری ہی شریعت سے الگ ہے

وہ دن بھی نہ فرمانِ محمد سے نباہی

مسجد سے نہیں عارِ مزاروں سے عقیدت

اللہ کرے دُور دلوں سے یہ سیاہی

عنیت کی ہے یہ بات بڑے شرم کی جاہ

ہو شرک کا سالار محمدؐ کا سپاہی

کیا کیا نہ مزاروں پہ ان آنکھوں نے دکھایا

توبہ ہے الہی مری توبہ ہے الہی

مشرکِ عقیدت تجھے یہ بھی نہیں معلوم

ہوتا ہے ذرا سے میں سفیدی پر سیاہی



# جنتیوں کا بنیادی عقیدہ

## لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں جو خالق و مالک کہلائے جاتے کاسکتی ہو۔ عالم الغیب حاضر و ناظر بخاکل سمجھا جائے۔ نفع و نقصان جس کی مٹھی میں ہو۔ حاجت والی ہشکل کثافی فریاد رسی جس کی صفت ہو۔ اُٹھتے بیٹھتے جس کو کھانا پکایا جائے جس سے غائبانہ خوف کھایا جائے۔ امتیں و البتہ کی جائیں۔ جس پر توکل کیا جائے۔ واسطہ اور وسیلہ کے بغیر جس سے دعائیں مانگی جائیں جس کے حضور رکوع و سجود ہو۔ جس کے نام کی تدوین یا ذکر کی جائے۔ قانون سازی جس کا حق ہو۔ سب جس کے بندے اور محتاج ہوں۔ کسی کو اُس پر زور یا زبردستی کا بار نہ ہو۔

**محمد رسول اللہ** کے اقرار کے معنی یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پسر اور اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں۔ اُس کے قول و عمل کے سامنے کسی کا قول و عمل ہرگز قابل قبول نہ ہوگا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل کے رہیں تعبیر معتبر ٹھہرے گی جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ثابت ہے قیامت تک سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کے ہر شعبہ میں سداً آخرت ہے اور ہر قسم کی بدعت قابل رد۔

اس عقیدہ کا مالک گناہ گار سے گناہ گار بندہ انجام کار جنت کے بادشاہی میں پہنچ کے ہے گا۔ (اللہ اللہ) اور اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والا جنت کے خوشبو تک نہ پائے گا چاہے وہ دینی چیز نمازیں پڑھنے والا ہر روز تہجد ادا کرتے والا صائم الدھر ہو۔